اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

مصنفہ

محمد حبیب الرحمن خاں شروانی

حبیب گنج۔ ضلع علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء طبع ہوئی

(اور وہیں سے شائع ہوئی)

سیرۃ الصدیق

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا

مقدمۂ طبعِ ثالث

سیرۃ الصدّیق کی اشاعت کو آٹھ سال کا زمانہ ہو چکا۔ اس عرصے میں دو بار چھپی اور بہت دن ہوئے کہ تقسیم ہو گئی۔ اہلِ ایمان کا شوق طبعِ ثالث کا متقاضی رہا۔ جو مضامین لکھنے سے رہ گئے تھے اُن کی تحریر کے انتظار میں چھپنا ملتوی تھا۔ بالآخر ممباسہ (ملک افریقہ) سے فرمایش آئی۔

قلب نے محسوس کیا کہ اب فرزندِ تاخیر ایک گونہ معصیت ہے۔ لہٰذا طبعِ سوم کی تیاری کی گئی۔ مضامین ذیل اضافہ ہوئے:

(۱) فضائل (۲) اوّلیات (۳) خاتمہ

اِس اضافے سے کتاب کا حجم تقریباً ڈیوڑھا ہو گیا۔ فضلِ ربّانی نفع ذہ گونہ فرمائے! وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

فضائل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا خطبہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے یہ گویا حیاتِ صدّیقی رضؓ پر تبصرہ ہے معرفت اور بلاغت کی اس قوّت کے ساتھ جو حضرت شیرِ خدا کا حصّہ تھی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

حبیب گنج۔ ضلع علی گڑھ

جمعہ، ۱۴۔ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۹ھ

محمد حبیب الرحمٰن خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وآلہ واصحابہ الذین قاموا واقاموا علی الصراط المستقیم

عرصہ ہوا کہ میرے مکرّم دوست **ضیاء الدین احمد** صاحب نے فرمایش کی تھی کہ میں قرنِ اولیٰ[1] کے کسی بزرگ کے حالات طلباء مدرسۃ العلوم کے سامنے بیان کروں۔ میں نے حضرت **ابوبکر صدیق** رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کو انتخاب کیا جو باتفاق اہلِ سنّت و جماعۃ افضل اُمّت ہیں اور جن کی برگزیدہ زندگی میں دین و دُنیا دونوں کی رہبری کے اعلیٰ اوصاف جمع تھے۔ اسی کے ساتھ اُن کے حالات و واقعات بہت کم اہلِ دین کے پیشِ نظر ہیں۔ آج کل اہلِ اسلام جس افراط و تفریط میں مُبتلا ہیں، اُس کا ایک مؤثر اور عمدہ علاج یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے بزرگوں

---

[1] قرونِ اولیٰ ۔ ابتداءِ اسلام کا زمانہ

کے واقعات کثرت سے شائع کیے جائیں تاکہ مسلمان اُن کو پڑھیں اور سبق حاصل کریں۔ اُس دَور کے مسلمان خالص اسلامی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اُن کی زندگی اُن تمام بیرونی اثروں سے پاک صاف تھی جو بعد کو مسلمانوں کی زندگی پر مؤثر ہوتے گئے اور جنھوں نے اُن کو رفتہ رفتہ صراطِ مستقیم سے دور کردیا۔ اسی دوری کا نتیجہ وہ تباہی اور بربادی ہی جس میں ہم مبتلا ہیں۔ خلاصہ یہ کہ قرونِ اولیٰ کے مُسلمان بہترین مظہرِ اسلام تھے اور اُن کا اقتدا و پیروی ہر مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کو زندگی کی کشمکش میں ایک کامل رہبر و ہادی کا کام دے سکتی ہی۔ اِسی یقین و عقیدہ سے میں نے یہ رسالہ لکھا ہی خداوند تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کو نفع بخشے۔

اِس رسالہ کی تحریر سے پہلے عرصہ تک میں نے کتابوں کا مطالعہ کیا حالات انتخاب کیے یہی وجہ ہی کہ فرمایش کی تعمیل میں اس قدر تاخیر ہوئی۔ لیکن تاخیر سے جہاں انتظار کی زحمت ہوئی وہاں یہ نفع بھی ہوا کہ بعض نایاب کتابیں طبع ہو کر آگئیں مثلاً طبقات ابنِ سعد۔ نہایت معتمد و معتبر کتابوں سے یہ رسالہ مرتب ہوا ہی جن کی تفصیل حسب ذیل ہی:۔

۱	۲	۳
جامع صحیح امام بخاری	سیرۃ ابن ہشام	طبقات ابنِ سعد

معارفِ ابن قتیبہ[4] مروج الذہب مسعودی[5] تاریخ الملوک والامم[6]
امام ابن جریر طبری کامل ابنِ اثیر[8] نزہتہ الابرار فی الاسامی[9]
ومناقب الاخیار امام وجیہ الدین عمر[10] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب
ابن عبدالبر الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ[11] ابن حجر عسقلانی
تاریخ الخلفاء[12] سیوطی ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء[13] شاہ ولی اللہ صاحب
دہلوی۔ جستہ جستہ باتیں فتوح البلدان[14] بلاذری اور العقد الفرید ابن عبدربہ اور
خلاصۃ الوفا[15] اور الریاض النضرہ[16] محب الدین طبری سے بھی ماخوذ ہیں جغرافیہ کے
متعلق معجم البلدان[17] یاقوت حموی اور فتح الباری[18] سے مدد لی گئی ہے۔ میں نے
کوشش کی ہے کہ واقعات صاف اور سیدھی عبارت میں بیان کر دیئے جائیں
اور وہ سادہ بیانی حتی الامکان ہاتھ سے نہ جانے دی جائے جو قدماء مورخین کی
روش تھی۔ عبارت آرائی سے قصداً احتراز کیا گیا ہے لہٰذا اگر اس رسالہ کی
عبارت روکھی پھیکی معلوم ہو تو قابلِ چشم پوشی ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ط

حبیب گنج۔ ضلع علی گڑھ
۱۴۔ رجب المرجب ۱۳۳۱ھ یوم جمعہ

محمد حبیب الرحمن خاں

---

[1] یہ ایک نایاب قلمی نسخہ ہے جو میرے کتب خانہ میں ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

نام۔ نسب لقب و الدین

ایامِ جاہلیت میں عبد الکعبہ نام تھا بعد اسلام حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ تجویز فرمایا۔ صدّیق و عتیق دو نو لقب ہیں۔ ابوبکر[1] کنیت سب سے زیادہ شہرت کنیت نے حاصل کی۔ نسباً قریشی تیمی ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عبد اللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرہ بن کعب بن لُوی بن غالب۔

چھٹی پشت میں مرہ بن کعب پر پہونچ کر اُن کا نسب حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر کے والد کا نام عثمان کنیت ابو قحافہ تھی۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نوّے برس کی عمر میں اسلام لائے۔ ۱۴ھ میں بعہد خلافت فاروقی وفات پائی۔ والدہ کا نام سلمیٰ کنیت ام الخیر تھی۔ قریشی تیمی ہیں۔ اسلام سے مشرف ہوئیں۔

[1] بکر آپ کی اولاد میں کسی کا نام نہ تھا

ولادت حضرت ابو بکرؓ عام فیل[1] کے ڈھائی برس بعد پیدا ہوئے یعنی آغاز سنہ ہجری سے

ایامِ جاہلیت پچاس برس چھ مہینے پہلے۔ ایامِ[2] جاہلیت میں بھی قریش کے رؤسا میں سے تھے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ صحابۂ[3] کرام میں دس آدمی ایسے تھے جو ایامِ جاہلیت اور عہدِ اسلام

دونوں میں رئیس و سربرآوردہ مانے گئے۔ من جملہ اُن کے ایک حضرت صدیق بھی ہیں

قیام مکہ میں رہتا تھا تجارت ذریعہ معاش و دولت مندی تھی۔ سلسلۂ تجارت میں شام

اور یمن کے متعدد سفر کیئے تھے۔ پہلا سفر اٹھارہ برس کی عمر میں کیا حُسن اخلاق ہمدردی

وسعت معلومات دانشمندی اور معاملہ فہمی وہ اوصاف ہیں جن میں حضرت صدیق قبل

اسلام بھی ممتاز تھے۔ ان ہی صفات کی وجہ سے لوگ اُن کے گرویدہ تھے۔ اہم معاملات

میں مشورہ لیتے اور اُن کی رائے پر اعتماد کرتے۔ قبیلۂ قریش کی تاریخ، اُس کی مختلف

شاخوں اور خاندانوں کی قرابت و نسب کا جاننے والا اُن کے عہد میں اُن سے زیادہ

کوئی نہ تھا۔ قبائلِ عرب صدیوں سے آزاد تھے اور اُن پر کوئی بادشاہ حکمراں نہ تھا۔

قبیلوں کے سردار ہی معاملات کو طے کرتے تھے اور حکومت کے فرائض اور مختلف خدمتیں

مختلف سرداروں کے سپرد ہوتی تھیں۔ قبیلۂ قریش کی خدمتِ اشناق[4] حضرت صدیق اکبر

---

[1] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چالیس برس پہلے حبش کے بادشاہ نے مکہ پر حملہ کیا تھا چونکہ ہاتھی اس کے ساتھ تھے اس لیے اس سال کا نام عام فیل اور حملہ کرنے والوں کا نام اصحابِ فیل مشہور ہوا

[2] ایامِ جاہلیت۔ عرب کا وہ زمانہ جو ظہور اسلام کے قبل تھا

[3] جو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ صحابہ جمع کا صیغہ ہے

[4] اس خدمت کا تعلق دیت اور خونبہا سے تھا۔ جب کوئی کسی کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل سے جو مالی بدلا لیا جاتا تھا اُس کو دیت کہتے تھے۔ اُس بدامنی و خونریزی کے زمانے میں ظاہر ہے کہ یہ صیغہ کس قدر اہم اور ذمہ داری کا تھا

کے متعلق تھی۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی خون ہو جاتا تو اگر صدیق اکبر خونبہا کی ضمانت کر دیتے تو مقبول ہوتی دوسرے کی ضمانت قبول نہ کی جاتی۔ شعر کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اسلام لائے تو شعر کہنا چھوڑ دیا اور پھر کبھی نہیں کہا۔ شراب زمانۂ جاہلیت میں بھی نہیں پی۔

اسلام نزولِ وحی سے ایک سال پہلے سے حضرت ابوبکر حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے آغازِ وحی کے زمانہ میں بسلسلۂ تجارت یمن گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو قریش کے سردار ابوجہل۔ عُتبہ۔ شیبہ وغیرہ ملنے گئے اثنارِ گفتگو میں حضرت ابوبکر نے تازہ خبر دریافت کی تو کہا سب سے بڑی خبر اور بڑی بات یہ ہی کہ ابو طالب کا یتیم بچہ مدّعیِ نبوّت بنا ہی۔ اِس کے انسداد کے متعلق ہم تمھارے آنے کے منتظر تھے۔ یہ سُن کر حضرت صدیق کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا اور اعیانِ قریش کو خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر کے خدمتِ مُبارک میں حاضر ہوئے۔ بعثت کے متعلق سوال کیا اور اُسی جلسہ میں قبولِ اسلام سے مشرّف ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ میں نے جس شخص کے سامنے اسلام پیش کیا اُس میں ایک قسم کی جھجک اور تردد و فکر ضرور پائی مگر ابوبکر کہ جس وقت میں نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا اُنھوں نے بے جھجک قبول کر لیا۔ اِس میں اختلاف ہی کہ اوّل اسلام کون لایا بعض نے کہا ہی حضرت علی مرتضیٰ۔ بعض کا قول ہی حضرت ابوبکر۔ قولِ فیصل یہ ہی کہ بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر۔ لڑکوں میں حضرت علی۔ بی بیوں میں حضرت خدیجہ اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ سب سے اوّل اسلام لائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص وحی نازل ہونے کے ساتویں روز دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اُن سے پہلے حضرت

ابوبکر اور حضرت علی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو چکے تھے۔ ایمان لانے کے بعد صدیق اکبر نے اپنی تمام قوت و قابلیت سارا اثر کُل مال و متاع جان اور اولاد غرض جو کچھ اُن کے پاس تھا وہ سب اللہ اور اُس کے رسول کی رضاجوئی و اطاعت میں وقف کردیا اور قبولِ اسلام کے بعد اُن کی تمام زندگی اطاعت و استقامت کی داستان ہی۔ قریش میں اُن کا جو اثر تھا اُس کو تم سن چکے ہو اُس اثر کا جلوہ تھا کہ گروہ سابقون اولون[1] کے ممتاز فرد مثلاً حضرت عثمان۔ حضرت زبیر۔ حضرت طلحہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاص اُن کے ذریعے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے فیض یاب ہوئے مال اُن غریبوں کی مدد میں صرف کیا جو اسلام لاکر سنگدل آقاؤں کی سختی کا نشانہ بن رہے تھے اُن میں سے بہت سوں کو حضرت ابوبکر نے خرید خرید کر آزاد کردیا۔ من جملہ اُن کے حضرت بلال بھی تھے۔ اُن کی داستان کیسی درد انگیز ہی۔ حضرت بلال کا آقا اُن کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے بہت ناراض تھا۔ جوشِ غضب میں وہ عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹا تا سینے پر بھاری سا پتھر رکھ دیتا اور کہتا جب تک لات اور عزّیٰ[2] پر ایمان نہیں لائیگا اسی عذاب و مصیبت میں مبتلا رکھونگا۔ مگر پتھر کے نیچے سے آواز آتی "احدٌ احدٌ" میرا معبود وحدہٗ لاشریک ہے وحدہٗ لاشریک۔ ایک روز حضرت ابوبکر نے یہ حالت دیکھی تو رحم آیا اور خرید کر آزاد کردیا۔

ابتداءِ اسلام میں تین برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ اسلام

---

[1] سابقون اولون وہ صحابۂ کرام جو واقعۂ بدر سنہ ۲ھ تک ایمان لائے

[2] لات اور عزّیٰ عرب کے دو مشہور بُت تھے

خفیہ فرمائی تھی۔ اس زمانہ میں حضرت ابوبکر بھی پوشیدہ خدمت اسلام کرتے تھے۔
جب رسالت کی چوتھی سال یہ آیت نازل ہوئی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ	تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو علانیہ بیان کر دو اور مشرکوں کی طرف سے منہ پھیر لو

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ حق کا اعلان شروع کیا اور شرک وجہل کی مذمت علانیہ فرمانے لگے۔ اس سے مشرکین عرب بھڑکے۔ ان کی بھڑک وحشی اور جنگجو عربوں کی بھڑک تھی کیا کچھ نہ کر گزرے۔ کوئی ایذا اور کوئی تکلیف نہ تھی جو خدا کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہ پہونچائی گئی۔ ان مصیبتوں میں صدیق اکبر کا بھی حصّہ تھا ایک روز حرم کعبہ میں مشرکوں کا مجمع ہے اور یہ تذکرہ کر رہے ہیں کہ ہمارے معبودوں کی مذمت اور توہین نئے نبی نے کیسی کی ہے۔ ناگاہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم طواف کعبہ کے واسطے داخل حرم ہوئے آپ کو دیکھ کر مشرکوں کی آتش غضب بھڑکی اور ایک شخص نے بڑھ کر کہا "اے شخص تو ہی ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے" ارشاد فرمایا بے شک۔ یہ سن کر تمام مجمع آپ سے لپٹ گیا ناہنجار مارتے تھے اور کہتے تھے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا	کیا تو سب خداؤں کو ایک خدا کر دیگا؟

آخر آپ بیہوش ہو کر گر گئے۔ کسی نے حضرت ابوبکر سے جا کہا اور آپ صاحب اپنے رفیق کی خبر دوڑے ہوئے آئے اور مجمع کفار میں گھس گئے۔ کسی کو مارتے کسی کو ہٹاتے اور کہتے جاتے۔

وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ	تم پر افسوس ہے کیا ایک شخص کو تم اس کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ خدا کی جانب سے روشن دلیلیں تمہارے پاس لایا ہے۔

یہ مداخلت مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی اور سب کے سب اُن پر جھپٹ پڑے اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ عزیزوں نے آکر بچایا۔ یہ سُن لو کہ حضرت صدیقؓ پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے :۔

- تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ — اے عزت وجلال والے تیری ذات بہت بابرکت ہے

حضرت عائشہ کا قول ہے کہ اس واردات کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ گھر پہونچے ہیں تو یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال الگ ہوجاتے۔ واقعہ ھذا کے ساتھ ایک اور واقعہ سُنو جس سے عزم رسالت کی شان کا اندازہ کرسکو اور عیاں ہوجائے کہ عین تلاطم شدائد کے وقت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مبارک کس قدر مطمئن تھی اور آپ کو اپنے رب کے فضل پر کس قدر بھروسہ تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت خبّاب سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اُس وقت کعبہ کے سایہ میں ردائے مبارک سر کے نیچے رکھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہماری مدد کے واسطے اللہ سے دعا نہیں کرتے یہ سُن کر آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے چہرۂ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا۔ فرمایا اگلے لوگوں کا گوشت لوہے کے کنگوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں سے الگ کیا گیا اُس پر بھی وہ دین سے نہیں ہٹے اُن کے سر پر آرے چلائے گئے چیر کر بیچ میں سے دو کردئیے تاہم دین پر قایم رہے[1] اللہ اس دین کو ضرور کامیاب فرمائیگا اور نوبت یہ پہونچیگی کہ ایک سوار صنعاء[2] سے حضرموت

---

[1] مدعا یہ ہے کہ تم اتنی ہی تکلیفوں سے گھبرائے جاتے ہو

[2] صنعاء و حضرموت یمن میں واقع ہیں اُن کے درمیان فاصلہ ۱۶۲ میل ہے

تک جائیگا اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈریگا۔

جب کفّار کی سختیوں کا تحمّل مسلمانوں سے نہ ہوسکا تو آپ نے فرمایا کہ حبشہ کو ہجرت کرجاؤ وہاں کا عیسائی بادشاہ عادل و رحم دل ہی اُس کے زیر سایہ آدمیوں کو امن و آسایش کی نعمت حاصل ہوتی ہی۔ چنانچہ دو مرتبہ مسلمان ہجرت کرکے ملک حبش کو گئے ایک دفعہ گیارہ مرد اور چار بی بیاں دوبارہ اسّی سے زیادہ مرد اور بی بیاں۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں قیام فرما رہے۔ حضرت ابوبکر نے عرصہ دراز تک سختیوں کی برداشت کی اور دامنِ حضوری نہ چھوڑا مگر آخر وہ بھی مجبور ہوگئے اور گھر بار کو چھوڑ کر براہِ یمن ملک حبش کی راہ لی۔ پانچ منزلیں طے کرکے برک الغماد[1] نامے مقام پر پہونچے تھے کہ قبیلہ قارہ[2] کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو۔ صدیق اکبر نے جواب دیا کہ مجھ کو میری قوم نے نکال دیا اب پردیس میں پھر کر اپنے رب کی عبادت کرونگا۔

ابن الدغنہ۔ تم سا آدمی جو بیکسوں کا مددگار مُصیبت زدوں کا ہمدرد۔ مہمان نواز راہِ حق کی مُصیبتوں میں غمخوار ہو وہ نہ اپنے گھر سے نکل سکتا ہی اور نہ نکالا جاسکتا ہی۔ میں تم کو پناہ دونگا مکّہ کو لوٹ چلو اور وطن میں اپنے رب کی عبادت کرو۔

چنانچہ حضرت ابوبکر ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے شام کو ابن الدغنہ نے اشرافِ قریش کے مجمع میں جاکر کہا کہ تم ایسے شخص کو یہاں سے نکالتے ہو جو محتاجوں کا حامی مُصیبت زدوں کا غمخوار اور راہِ حق کی مصیبتوں میں ہمدرد ہی۔ ابوبکر سے شخص کو نہ نکلنا

---

[1] یہ مقام یمن کی طرف مکّہ سے پانچ منزل ہی۔

[2] قبیلہ قارہ قریش کے قبیلۂ بنی زہرہ کا حلیف تھا اُس کی تیراندازی ضرب المثل تھی۔

چاہیئے اور نہ نکالنا۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا اور کہا کہ ابو بکر سے کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت گھر کے اندر کریں۔ گھر میں بیٹھ کر جو چاہیں پڑھیں۔ علانیہ نہ عبادت کریں نہ تلاوت ورنہ ہم کو خوف ہے کہ ہماری مستورات اور ہمارے نوجوان مبتلائے فساد ہو جائینگے۔

عرصہ تک حضرت ابو بکر نے اس کی پابندی کی آخر کار شوقِ دل نے مجبور کیا اور گھر کے باہر میدان میں ایک مسجد[1] بنا کر نماز و تلاوت میں مصروف رہنے لگے۔ حضرت ابو بکرؓ بے حد رقیق القلب تھے۔ تلاوتِ کلامِ مجید کے وقت زار زار روتے۔ یہ عالم دیکھ کر قریش کی عورتوں اور نوجوانوں کا ہجوم ہو جاتا، اور محو حیرت ہو کر پروانہ وار ایک دوسرے پر گرتے۔ اشرافِ قریش یہ حالت دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ اور ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ابو بکر شرائط امن پر قایم نہیں رہے۔ باہر مسجد میں بالا علان نماز و قرآن پڑھتے ہیں ہم کو اپنی عورتوں اور نوجوانوں کے گمراہ ہو جانے کا سخت اندیشہ ہے۔ اُن کو روکو ورنہ اپنی پناہ واپس لو۔ ہم تم سے بدعہدی نہیں کرنی چاہتے اِسی کے ساتھ ابو بکر کو علانیہ نماز و قرآن پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے۔ ابن الدغنہ نے آکر حضرت ابو بکر سے یہ ماجرا کہا تو انھوں نے جواب دیا:۔

اَرُدُّ اِلَیْکَ جِوَارَکَ وَاَرْضیٰ بِجِوَارِ اللہِ — تمہاری پناہ تم کو نبارک میں بنے اللہ کی پناہ سے خوش ہوں

یہ واقعہ تیرھویں سالِ نبوت کا ہے۔

ہجرت نزولِ وحی کے بعد تیرہ برس تک حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا۔ صبر و تحمل اور عزم و استقلال کی جو شان ان تیرہ برس میں ذاتِ قدسی

[1] یہ اسلام میں پہلی مسجد تھی

سے عیاں ہوئی وہ قیامت تک نوعِ انسانی کے واسطے شمع ہدایت کا کام دیگی۔ خیال کرو ایک ذات۔ ظاہری اسباب حفاظت و مدافعت قطعاً معدوم۔ خالق کا پیام مخلوق کو پہونچانے کی گراں بار ذمہ داری دوشِ مبارک پر۔ عرب سی سرکش جنگجو اور کینہ پرور قوم سے شرک و بت پرستی پشتوں کے اخلاقی جرائم اور بدکاریاں جن کا سرچشمہ جہالت سفا کی و خود سری تھی، چھڑانے اور تصفیہ و تزکیہ کے بعد اُن کے دلوں کو نورِ عرفان اور پاکیزگی اخلاق سے معمور کر دینے کی خدمت سپرد اُس پر کفارِ عرب کی اُن اذیتوں اور تکلیفوں کا تحمل جن کا ایک شمہ اوپر بیان ہوا۔ پھر خدارا انصاف کرو کہ کیا یہ سب کچھ بدون صداقت اور حق کی قوت کے ہوا؟ اگر ہوا تو پھر دنیا میں حق یا صداقت کوئی قوت نہیں۔ جھوٹ اور دغا سے بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مبعوث ہونے کے بعد تین برس تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت خفیہ فرمائی اسی زمانہ میں اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت عثمان حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ایمان لائے۔ اِس کے بعد اعلان تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ نے اعلانِ حق اس قوت و عزیمت کے ساتھ فرمایا کہ عرب کی پہاڑیاں اُس کی صدا سے گونج اُٹھیں اور آج تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی باوجود ہزاروں انقلابوں کے دنیا کے تمام برّاعظموں میں وہ صدا گونج رہی۔ اور کروڑوں نفوسِ انسانی کے دل اُس کی طرف سے لگے ہوئے ہیں۔ جب اہلِ مکہ کی طرف سے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مایوس ہو گئے تو آپ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جو میلے نواحِ مکہ میں ہوتے اُن میں تشریف لے جا کر احکامِ الٰہی سناتے مدت تک یہ بھی فیض یاب نہ ہوئے۔ آخر ایک مرتبہ آپ مدینہ والوں کی جماعت میں تشریف لے گئے اس گروہ نے پہلی ہی مرتبہ کلامِ الٰہی شوق اور

توجہ سے سُنا۔ دو تین سال کے عرصے میں اہلِ مدینہ کے دل پوری طرح مسخر ہوگئے اور وہ بقعہ پاک اسلام کا دار الامن بن گیا۔ ہجرت سے چار مہینے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو عام اجازت فرمائی کہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ جوق جوق صحابی دار الہجرۃ کو جانے لگے۔ حضرت عمر نے بھی اسی زمانہ میں ہجرت[1] کی۔ صدّیق اکبر نے چند مرتبہ قصد کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہ کہہ کر منع فرمایا کہ خود مجکو حکم ہجرت کا انتظار ہے۔ حضرت ابوبکر نے فراست ایمانی سے اپنی رفاقت کا احساس کرکے اہتمام کے ساتھ دو طاقتور اونٹوں کی پرورش شروع کردی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ صبح شام حضرت ابوبکر کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ایک روز خلافِ عادت دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی میں تشریف لے گئے۔ سر پر چادر لپٹی ہوئی تھی۔ اُس وقت حضرت ابوبکر اپنے بال بچوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم آرہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے سُن کر کہا، میرے باپ اور ماں اُن پر قربان ہوں یہ ناوقت کا آنا بے وجہ نہیں ہوسکتا۔ اِسی عرصہ میں آپ دروازہ پر پہونچ گئے، اوّل اجازت طلب فرمائی۔ بعد اجازت اندر تشریف لے گئے اور تخلیے کی فرمایش کی۔ حضرتِ صدیق نے کہا کہ کوئی غیر نہیں صرف میری ہی دو لڑکیاں ہیں۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ ابوبکر ہجرت کی اجازت آگئی۔ اُنھوں نے بے ساختہ کہا:۔

وَالصَّحَابَۃَ یَارَسُوْلَ اللہ — اور میری رفاقت یا رسول اللہ ؟

ارشاد فرمایا رفاقت کی بھی اجازت ہے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر فرطِ مسرّت سے رونے لگے۔

---

[1] ہجرت، رضائے الٰہی کے واسطے ترکِ وطن۔ اُس زمانہ میں ہجرت فرض تھی

حضرت عائشہ کا قول ہے کہ اُس روز میں نے جانا کہ آدمی جوشِ خوشی میں بھی روتا ہے۔ اُسی وقت حضرت ابوبکر نے دو تو اونٹ پیش کرکے عرض کی کہ یہ اونٹ آج ہی کے واسطے تیار کئے ہیں ایک سواری خاصہ کے واسطے پسند فرمایئے۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ قیمتًا لے لیا۔ باقی جملہ انتظام بھی اُسی وقت کئے گئے اور شب کا وقت روانگی کے واسطے مقرر ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام جلیل القدر اصحاب ہجرت کرکے مدینے چلے گئے تھے صرف حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت ابوبکر باقی تھے۔ حضرت علی کو آپ نے اس غرض سے مکّہ میں چھوڑا کہ جو امانتیں حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں وہ واپس دے کر مدینہ چلے آئیں۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ باوجود تمام خصومت اور عداوت کے کفّارِ مکّہ اپنی عزیز اور قیمتی چیزیں آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس امانۃً رکھتے تھے اور اس کا باعث وہ اطمینان تھا جو آپ کی صداقت و امانت پر تھا۔ الغرض وقتِ معیّن پر حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی حضرت ابوبکر ہمراہ تھے۔ مکّہ سے روانہ ہوکر تین دن تک غارِ ثور میں قیام رہا جو مکّہ کے نواح میں ہے اسی رفاقت کا ذکر اس آیۂ پاک میں ہے:۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ   دو میں کا دوسرا جب کہ وہ دو تو غار میں تھے

اور اسی غار میں آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی تسلّی کے واسطے وہ کلام ارشاد فرمایا تھا جس کی عظمت و شان کے سامنے آج تک شدید سے شدید دشمن کا بھی سر خم ہے یعنی:۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا   غمگین نہ ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے

یہ وہ موقع ہے کہ صرف آپ اور آپ کے رفیقِ غار کے اندر ہیں کفارِ مکّہ حالتِ غیظ و غضب

ہیں سرگرم تلاش ہیں۔ تلاش کرتے کرتے دفعتہً غار کے مُنھ پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے جوان کے قدم اپنے سر کے اوپر دیکھے تو گھبرا گئے اور کہا:۔

اُدْرِکْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ — اے اللہ کے رسول کافروں نے ہم کو آلیا

آپ نے غایت اطمینان کے ساتھ فرمایا:۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا — غمگین نہ ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے

روحی فداک یا رسول اللہ۔ تین دن کے بعد اونٹوں پر سوار ہو کر سمندر کی قریب کی راہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ ایک اونٹ پر حضرت سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر تھے دوسرے پر عبد اللہ بن ارقط راہبر اور حضرت ابو بکر کے غلام آزاد حضرت عامر بن فُہیرہ۔ حضرت ابو بکر کا سن اُس وقت انچاس برس چھ مہینے کا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال بالکل سپید تھے۔ حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کا سنِ مبارک ترپن برس کا تھا مگر بال بالکل سیاہ تھے۔ قبول اسلام کے زمانہ میں جو چالیس ہزار کا سرمایہ حضرت ابو بکر کے پاس تھا وہ خدمتِ اسلام میں صرف ہوتے ہوتے اب صرف پانچ ہزار رہ گیا تھا۔ ہجرت کے وقت وہ سب روپیہ اُنھوں نے ساتھ لے لیا۔ اہل وعیال کفّار کے نرغے اور خدائے ذو الجلال کی پناہ پر چھوڑ دئیے۔ ابو قحافہ نے جب اپنے بیٹے کی ہجرت کا حال سنا تو گھبرائے ہوئے آئے اور اپنی پوتی حضرت اسماء سے پوچھا کہ تیرا باپ ہجرت کر گیا اور سنا ہے روپیہ بھی سب ساتھ لے گیا۔ اُنھوں نے یہ خیال کر کے کہ بوڑھے دادا کو زیادہ صدمہ نہ ہو کہا اباّ یہ بات نہیں ہے وہ بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ ابو قحافہ کا سن اُس وقت تراسی برس کا تھا بینائی سے معذور تھے۔ حضرت اسماء نے اُس الماری میں جس میں روپیہ رہتا تھا پتھر بھر کر کپڑا ڈال دیا اور دادا کا ہاتھ پکڑ کر کہا اُس الماری میں دیکھو۔ اُنھوں نے

ہاتھ سے کپڑا ٹٹولا اور کہا خیر اتنا چھوڑ گیا ہے تو مضائقہ نہیں۔ صدیق اکبر نے اپنے اہل و عیال کو کس بے کسی اور خطرہ کی حالت میں چھوڑا تھا اُس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ہجرت کے بعد جب کفار اپنی ناکامی پر برافروختہ ہوئے تو ابوجہل معہ چند آدمیوں کے اُن کے گھر آیا اور حضرت اسماء سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے اُنھوں نے کہا مجھ کو معلوم نہیں اس پر طیش میں آکر اُس شقی نے ایک تھپڑ اُن کے منھ پر اس زور سے مارا کہ کان سے آویزہ نکل کر دور جا پڑا۔

۱۲ ربیع الاوّل کو حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے رفیق کے مدینہ پہونچے دوپہر کا وقت تھا۔ اہلِ مدینہ نے چونکہ عام طور پر جمالِ مبارک نہیں دیکھا تھا اس لئے امتیاز نہ کر سکے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کونسے ہیں ادب مانع سوال تھا۔ جب چہرۂ اقدس پر دھوپ آئی اور حضرت ابوبکرؓ نے اُٹھ کر چادر کا سایہ کیا اُس وقت پہچانا۔

مہاجرین کا گروہ مدینہ طیبہ میں محض بے خانماں تھا ٹھہرنے کا ٹھکانا تو کسی کا بھی نہ تھا بہت سے بے سروسامان بھی تھے۔ جن کے پاس سرمایہ تھا وہ بھی دم لینے اور جائے قیام کے محتاج تھے۔ اہلِ مدینہ نے جس حوصلہ اور محبت کے ساتھ اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کیا وہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ انہی خدمات کے صلے میں انصار کا برگزیدہ لقب پایا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہونچنے کے بعد اپنے اصحاب میں مؤاخاۃ کا سلسلہ قایم کیا یعنی ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا۔ یہ بھائی حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے ہمدرد اور رفیق بن گئے۔ ایک انصاریؓ جب اپنے بھائی مہاجر کو عقد مواخاۃ کے بعد گھر لے گئے تو اُن کو اپنے تمام مال وجائداد کا جائزہ دیا اور کہا اس میں سے نصف تمھارا ہے

[1] انصار مدینہ کے باشندے۔ مہاجر جو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ پہونچے تھے

میری دو بی بیاں ہیں ایک کو طلاق دیتا ہوں بعد عدت تم اُس سے نکاح کر لینا۔ اُن کے بھائی مہاجر نے کہا کہ تمہارا مال و جائداد اور بی بیاں تم کو مبارک مجھ کو ضرورت نہیں۔ حضرت ابوبکر کی مواخاۃ حضرت خارجہ بن زید انصاری سے قایم فرمائی گئی تھی اس لیئے حضرت ابوبکر نے سنحؔ میں قیام کیا۔

ہجرت سے وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک

مدینہ پہونچ کر سات مہینے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان پر قیام فرمایا۔ پھر ایک موقع دس اشرفیوں سے خرید کر مسجدِ نبوی تعمیر کرائی۔ یہ اشرفیاں حضرت ابوبکر کے مال سے دی گئیں۔ جو صحابۂ کرام مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اُن کے واسطے مسجد کے گرد مکانات تجویز کیئے گئے اِسی سلسلہ میں حضرت ابوبکر کا مکان بھی مسجد کے متصل بنا جس کی ایک کھڑکی احاطۂ مسجد کے اندر تھی۔ بناء مسجد نبوی کے زمانے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ آدمی بھیج کر اہل وعیال کو طلب فرمایا۔ اسی قافلہ میں حضرت ابوبکر کے اہل وعیال مدینہ پہونچے۔ حضرت صدیق کے بال بچے چندے بمقام سُنح رہے۔ جب مسجد کے پاس مکان تیار ہو گیا تو اُس میں آ گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹ کے تھے۔ ٹٹیوں کو مٹی سے لیس کر علیحدہ علیحدہ حجرے بنا دیئے جاتے تھے۔ چھت کھجور کی لکڑی اور پتوں سے پاٹی جاتی تھی اس قدر بلند ہوتی تھی کہ آدمی ہاتھ اُٹھاتا تو چھت سے جا لگتا۔

ہجرت سے آغاز خلافت صدیقی تک دس برس کا زمانہ سیرۃ نبوی کا زمانہ ہی۔ اگر اُس عہد کے کُل واقعات مفصّل لکھے جائیں تو ایک جزو اعظم سیرۃ رسالت کا بیان کرنا ہوگا جو اس رسالے کا موضوع نہیں۔ اگر بالکل چھوڑ دیئے جائیں تو سیرۃ صدیقی کا ایک

سلہ سنح مدینہ کا ایک محلہ تھا

عظیم الشان حصہ ترک ہوتا ہی۔ اِس لیئے میں بھی وہی مسلک اختیار کرتا ہوں جو علامہ شبلی نے الفاروق میں اختیار کیا ہی یعنی واقعات کا مجمل بیان اور اُن کے ضمن میں حالاتِ صدیقی کا خصوصیت سے اظہار۔

غزوۂ بدر

اوپر کے بیانات سے فی الجملہ اندازہ اُن مصائب اور تکالیف کا ہوتا ہی جو حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے ہاتھ سے پہونچی تھیں۔ نیز اُس شانِ رضا و تسلیم کا جو ذاتِ اقدس اور مسلمانوں کی جانب سے عیاں ہوئی اُس زمانے میں کفار نے اپنی تمام کوشش اذیت اور تکلیف پہونچانے میں صرف کی تھی۔ مدینہ پہونچنے کے بعد اُنھوں نے نورِ اسلام کو آبِ شمشیر سے بجھانا چاہا۔ اس لیئے حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایمان و اسلام کا اظہار فرمایا اور قیام مدینہ میں غزوات کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ تمام غزووں میں بدر کا غزوہ افضل و اشرف ہی اور جو حضرات اس غزوے میں شریک تھے وہ تمام مسلمانوں سے درجہ میں بڑھ کر ہیں۔ بدر ساحلِ سمندر کی جانب مدینہ سے سات منزل دُور ایک کنواں تھا۔ ہر سال تین دن وہاں میلہ لگتا تھا۔ یہ غزوہ چونکہ اس موقعے پر ہوا لہذا بدر کے نام سے مشہور ہی۔ ۲ھ میں مشرکین مکہ نے ایک بڑی جمعیت فراہم کی جس میں قریش کے تمام سردار اور چیدہ آدمی شریک تھے اور حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کے واسطے مدینہ کا قصد کیا۔ آپ کو جب کفار کے ارادہ کا حال معلوم ہوا تو آپ بھی مسلمانوں کی فوج لے کر روانہ ہوئے اور بدر پہونچ کر مقام فرمایا۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی اُن میں ستتر مہاجرین تھے اور دو سو چھتیس انصار۔ تمام لشکر میں صرف ستّر اونٹ اور تین گھوڑے تھے جن پر باری باری سے مجاہدین سوار ہوتے تھے۔ حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی

مرتضیٰ اور حضرت مرثد غنوی کی سواری میں ایک اونٹ تھا۔

کفّار کی جمعیت ایک ہزار تھی جن میں سو سوار تھے۔ میدانِ بدر میں جب آپ نے لشکرِ اسلام کی صفیں ترتیب دیں اور مسلمانوں کی قلّت بے سر و سامانی اور کفار کی کثرت و شوکت دیکھی تو بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوئے اور غایت خضوع و خشوع سے دعا فرمائی:۔

اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنْ	اے اللہ تیرا جو وعدہ مجھ سے تھا وہ پورا فرما دے اے اللہ
تُھْلِکْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ	اگر تو اس گروہ اہلِ اسلام کو ہلاک کردیگا تو پھر سطحِ زمین
الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ	پر تیری عبادت نہ ہوگی

عالم یہ تھا کہ آپ دعا میں مصروف تھے اور صدیق اکبر ردائے مبارک کو آپ کے شانوں پر اُٹھائے ہوئے تھے۔ آخر دعا درجۂ اجابت کو پہونچی اور حضرت ابوبکر نے عرض کی:۔

کَفَاکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ	اے اللہ کے نبی تم پر میرے باپ و ماں فدا ہوں۔ بارگاہِ الٰہی
فَنَاشَدْتُکَ رَبَّکَ فَاِنَّہٗ سَیُنْجِزُلَکَ وَعْدَکَ	میں آپ کی مناجات کامیاب ہوئی جو آپ سے وعدہ تھا وہ عنقریب پورا فرمائیگا

اِس پر حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعا ختم فرما دی اور یہ کہتے ہوئے میدان میں تشریف لائے

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ	جماعتِ کفار کو عنقریب شکست دی جائیگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگینگے

اِسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے آیۂ پاک میں:۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ	یاد کرو اُس دن کو جب کہ تم فریاد کرنے لگے تھے اپنے رب سے پس اُس نے
لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ	قبول فرمائی تمھاری دعا کہ میں تم کو مدد دونگا ہزار فرشتوں سے
مُرْدِفِیْنَ	جو لگاتار آنے والے ہونگے

صحابۂ کرام نے ایک چھوٹا سا سائبان حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نشست کے واسطے میدانِ جنگ کے کنارے پر بنا دیا تھا۔ اُس میں آپ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر شمشیر برہنہ

لیئے حفاظت پر کمربستہ معرکۂ کارزار گرم ہوا اور آپ نے بذاتِ خاص کفار پر حملہ فرمایا تو سردارِ میمنہ حضرت ابوبکر تھے اور سردار میسرہ حضرت علی مرتضیٰ۔ صدیق اکبر کے بیٹے عبدالرحمن اُس وقت تک کافر تھے اور لشکر مشرکین میں شامل۔ حضرت صدیق نے اُن کو دیکھا تو طیش میں آکر للکارا اور کہا:۔

أَيْنَ مَالِي يَا خَبِيثُ — او پلید میرے حقوق کیا ہوئے

اُنھوں نے جواب دیا:۔

لَمْ يَبْقَ غَيْرُ شِكَّةٍ وَيَعْبُوبٍ وَ — صرف دستہ و تیر و سمند تیز گام باقی ہے اور گمراہی

صَارِمٍ يَقْتُلُ ضَلَالَ الشَّيْبِ — پیری کی قاتل تلوار

اسلام لانے کے بعد ایک بار حضرت عبدالرحمن نے اپنے والد سے کہا کہ غزوۂ بدر میں ایک موقع پر آپ میری زد پر آگئے تھے لیکن میں نے بچا دیا۔ یہ سُن کر کہا کہ تو میری زد پر آجاتا تو میں کبھی نہ چھوڑتا۔ آخر کار مسلمانوں کو فتح اور مشرکوں کو شکست نصیب ہوئی صنادید کفار اس معرکہ میں قتل ہوئے مثلاً ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ۔

غزوۂ اُحد ماہ رمضان ۳ھ ہجری بروز شنبہ

غزوۂ بدر کے ایک سال بعد مشرکین مکہ ابوسفیان کے پاس جمع ہو کر گئے اور اپنے مقتول اعزہ کے انتقام میں مدد چاہی۔ ابوسفیان نے مقتولین بدر کے انتقام کا اہتمام کیا۔ مالی مدد دی۔ قبائل میں نقیب بھیجے کہ جوش دلاکر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر آمادہ کریں۔ الغرض تین ہزار پُرجوش مشرکوں کا لشکر لے کر ابوسفیان روانہ ہوا۔ عورتیں بھی ساتھ تھیں تاکہ مردوں کو غیرت دلاکر بھاگنے سے روکے رہیں۔ مدینہ کے قریب اُحد نامی اک پہاڑ ہے یہ غزوہ اُس پہاڑ پر ہوا تھا اِس لیئے غزوۂ اُحد کے نام سے مشہور ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حملۂ کفار کی خبر

سن کر معہ ایک ہزار مسلمانوں کے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں عبداللہ بن اُبیّ سرگروہ منافقین کی دراندازی سے لشکر اسلام میں تفرقہ پڑ گیا۔ ایک ثلث آدمی منافق مذکور کے ساتھ واپس چلے گئے۔ اور مسلمانوں کی جمعیت کم ہو کر سات سو رہ گئی۔ میدانِ اُحد میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی پشت پر جو راستہ تھا اُس پر حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرما کر ہدایت کی کہ بدون حکم اپنی جگہ سے کسی حالت میں جنبش نہ کریں۔ مقابلہ شروع ہوا مشرکین کی عورتیں صفوں کی پشت پر ڈھول بجا بجا کر جوش انگیز اشعار گاتی جاتی تھیں۔ بڑے زور کا رن پڑا مسلمانوں کے حملہائے مردانہ نے لشکرِ کفار کی صفیں اُلٹ دیں اور جمعیتِ کفر میں تفرقہ ڈال دیا۔ تیراندازوں کے دستے نے دشمنوں کی ہزیمت دیکھی تو اپنی جگہ چھوڑ کر مشرکوں کے خیمے لوٹنے لگے اِس سے مسلمانوں کی فوج کا پیچھا کھل گیا۔ اِسی عرصے میں کسی نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ مقتول ہو گئے۔ کفار نے اِس موقعے کو غنیمت خیال کر کے اپنی جمعیت پھر قایم کی اور دوبارہ بڑے زور کا حملہ کر کے مسلمانوں کے لشکر کے اندر گھس آئے۔ لشکرِ اسلام میں تفرقہ شدید پڑ گیا کافروں کی ایک جماعت خود آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہونچی۔ ایک نے لبِ مبارک پر پتھر مارا جس کے صدمے سے ہونٹ شق ہو کر ایک دانت ٹوٹ گیا دوسرے نے پیشانی اقدس پر تیسرے نے چہرۂ منوّر پر۔ ان متواتر زخموں کی وجہ سے چہرۂ مبارک پر خون بکثرت بہنے لگا۔ آپ خون پونچھتے اور فرماتے:۔

کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم	وہ قوم کس طرح فلاح پائیگی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے
وھو یدعوھم الی ربھم	رنگین کر دیا حالانکہ وہ اُن کو اُن کے رب کی طرف بلاتا ہے

اِسی حالت میں کفّار نے ریلا دیا اور آپ زخموں کے صدمے سے بیہوش ہو کر ایک غار میں

گر گئے جس میں مسلمان شہدا کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جب جمالِ مبارک نگاہ سے دور ہو گیا
تو مسلمانوں کی پریشانی و آشفتگی کی انتہا نہ رہی۔ اور فرطِ اضطراب میں ہر طرف پھرنے
لگے بالآخر سنبھلے اور اُس مقام پر آئے جہاں آپ تھے۔ محدّث مشہور حاکم کا قول ہے کہ
سب سے اوّل اُس موقع پر پہونچ کر حضرت ابوبکر نے حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا
حضرت علی نے دستِ مبارک پکڑا اور حضرت طلحہ نے سہارا دیا اور آپ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے
خود کی جو کڑیاں پتھروں کے صدمے سے چہرۂ اقدس میں گھس گئی تھیں اُن کو حضرت ابوعبیدہ
نے دانتوں سے پکڑ پکڑ کر نکالا جس کے صدمے سے خود اُن کے دو دانت ٹوٹ گئے۔
مالک بن سنان نے چہرۂ مبارک سے خون صاف کیا۔ اُس وقت صحابۂ کرام نے بیتاب
ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ کفار کے حق میں بد دعا کیجئے فرمایا کہ میں بد دعا کے واسطے
نہیں بھیجا گیا اور دعا فرمائی "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے وہ سمجھتے نہیں"۔ اسی عرصے
میں کفار کی ایک جماعت پھر آپ کی طرف بڑھی۔ حضرت زیاد بن سکن نے پانچ انصار کو ساتھ
لے کر جوانمردی سے روکا اور معہ رفقا اُسی موقع پر شہید ہو گئے۔ جب زیادہ زخموں سے
چور ہو کر گرے تو حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو اٹھا کر میرے
پاس لاؤ۔ آئے تو پائے مبارک پر اُن کا سر رکھ لیا اور اُس جاں نثار نے اس حالت میں
جان دی کہ رخسارہ قدمِ مبارک پر رکھا ہوا تھا۔ رضی اللہ عنہ حضرت ابودجانہ سپر بن کر
حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم پر جھک گئے تھے اور حضرت سعد ابن ابی وقاص آپ کے
پاس کھڑے ہوئے کفار پر تیر برسا رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس کوشش اور جانفشانی سے
کفّار کو مسلمانوں نے ذاتِ گرامی کے حملوں سے روکا۔ اِسی وقفے میں باقی مسلمانوں
نے سنبھل کر جمعیت پھر قایم کی اور کفار پر حملہ آور ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم

درۂ کوہ کے اوپر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ و حضرت زبیر ہمراہ تھے۔ یہاں خالد بن ولید نے اپنے سواروں کی جمعیت سے آپ پر حملہ کرنا چاہا آپ نے حضرت عمر کو حکم دیا اور اُنھوں نے کفار کو مار ہٹایا۔ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپ حیات ہیں اور مسلمان خدمت میں کمربستہ و مستعد تو اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ حضرت حمزہ عم رسول اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ آغاز معرکہ میں حضرت ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن نے میدان میں آکر اپنے مقابلے کے واسطے حریف طلب کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر خود اُن کے مقابلے پر آمادہ ہوئے تلوار میان سے نکالی اور آپ سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا:۔

شم سیفك وامتعنا بك — تلوار میان میں کرو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو

بعد ہزیمت کفار ستر سپاہی لشکر اسلام کے اُن کے تعاقب میں مامور ہوئے۔ منجملہ اُن کے حضرت ابوبکر بھی تھے۔

غزوۂ خندق شوال ۵ھ — بدر اور اُحد کی ناکامی و ہزیمت کے بعد کفار مکہ میں تو حملہ آوری کی ہمت نہ رہی تھی مگر اسی زمانہ میں ایک اور دشمن اسلام پیدا ہو گیا تھا۔ یعنی یہود مدینہ اور نواح مدینہ میں یہودی کثرت سے آباد و آسودہ تھے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کو اُنھوں نے اپنا بیخ کن خیال کرکے مخالفت پر کمربستہ ہو گئے یہ لوگ خود تو مردِ میدان نہ تھے لیکن سازش و فساد کا پورا ملکہ رکھتے تھے۔ اہلِ مکہ کے پاس وفد بھیج کر پھر مخالفت پر آمادہ کیا۔ اہل مکہ سے مطمئن ہونے کے بعد وفد نے قبائل میں دورہ کرکے ہر جگہ جوشِ جنگ تازہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دس ہزار نبرد آزما دشمنان اسلام پھر آمادہ ہو گئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس مہم کی اطلاع ملی

تو آپ نے حفاظت کے لیئے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا اہتمام فرمایا۔ خود بہ نفسِ نفیس خندق
کھودنے میں شرکت فرماتے تھے۔ مسلمانوں نے اس محنت و جانفشانی سے کام کیا کہ لشکر
کفار کے مدینہ پہونچنے سے پہلے پہلے خندق کھُد کر تیار ہو گئی۔ مشرکین کی فوج دس ہزار
تھی مسلمانوں کی تین ہزار۔ موسم نہایت سرد تھا۔ سامانِ رسد قلیل باوجود اِن تمام مشکلات
کے اہل ایمان نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور برابر ثابت قدم رہے۔ دشمنوں نے ایک
مہینے تک محاصرہ رکھا اور متواتر حملے کیئے لیکن ہر مرتبہ زک اُٹھائی۔ لشکرِ اسلام کا
ایک دستہ حضرت صدیق کے ماتحت خندق کے ایک حصّے کی حفاظت پر مامور تھا۔ اُس
موقع پر بعد کو مسجد بنا دی گئی جو مسجد صدیق کے نام سے مشہور اور شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ تک
موجود تھی۔

حدیبیہ[1] ذیقعدہ ۶ھ

ذیقعدہ ۶ھ میں حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم ادائے عمرے
کے واسطے مکہ کو روانہ ہوئے۔ احرام باندھے ہوئے تھے قربانی کے جانور ہمراہ تھے آپنے
اِس امر کا اعلان اچھی طرح فرما دیا تھا کہ مقصود صرف زیارتِ بیت اللہ ہے نہ مخالفت یا مخاصمت
مہاجرین انصار اور قبائل کے چودہ سو آدمی ہمرکاب تھے۔ اثنا سفر میں یہ اطلاع ملی کہ قریش
راستہ روکے ہوئے ہیں اور باہم یہ عہد کر چکے ہیں کہ آپ کو مکہ میں نہ داخل ہونے دینگے۔
آپنے یہ حال سن کر وہ راستہ چھوڑ دیا اور دوسرے راستہ سے ایک منزل طے فرما کر بمقام
حدیبیہ قیام فرمایا۔ بعد قیام حسبِ عادت آپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا بعد مشورہ حضرت ابوبکر
کی رائے پسند فرمائی گئی۔ اس مقام پر قریشیوں کے متعدد ایلچی حاضر ہوئے اور آپنے سب
کو اطمینان دلایا کہ محض زیارت کعبہ کا ارادہ ہے کوئی نزاع یا مخالفت پیشِ نظر نہیں ایلچی

[1] حدیبیہ۔ مکہ سے ایک منزل فاصلہ پر چھوٹا سا گاؤں تھا

اہلِ مکہ کو آپ کی جانب سے مطمئن کرتے تھے مگر قریشیوں کا شک کسی طرح رفع نہ ہوا۔ آخر عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے ایلچی ہو کر آیا۔ اور اُس نے اہلِ مکہ کا عزم و اہتمامِ جنگ نہایت شدّ و مد کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر اُس وقت حاضر تھے۔ عروہ کی لن ترانی سن کر ضبط نہ کر سکے اور کہا لات و عزیٰ کے پوجنے والے مشرکوں کا یہ اہتمام ہی تو کیا ہم رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کے مدد سے منہ موڑ لینگے۔ عروہ نے پوچھا یہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا ابن ابی قحافہ۔ عروہ نے کہا کہ اگر ابوبکر کے احسان مجھ پر نہ ہوتے تو میں اس کا جواب دیتا لیکن میں اُن کے احسانوں کا خیال کر کے درگزر کرتا ہوں۔ جب اُدھر کے ایلچیوں کو کامیابی نہ ہوئی تو آپ نے خود اپنا ایلچی خاص سواری کے اونٹ پر بھیجا۔ اِس کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اونٹ کے پاؤں قلم کر دیئے گئے۔ آپ نے اِس کے بعد حضرت عثمان کو بھیجا۔ جب اُنھوں نے پیامِ رسالت ابوسفیان وغیرہ اعیان قریش سے بیان کیا تو جواب دیا کہ تم کو طوافِ بیت اللہ کی اجازت ہے۔ حضرت عثمان نے کہا کہ جب تک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم طواف نہ فرمائیں میں طواف نہیں کر سکتا۔ طیش میں آکر قریش نے اُن کو نظر بند کر دیا۔ لشکرِ اسلام میں خبر پہونچی کہ عثمان قتل کر دیئے گئے۔ یہ سُن کر حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لیا جائے معاودت ممکن نہیں۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کو جمع فرمایا اور اُن سے مقابلۂ دشمن کی بیعت لی۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے زیرِ سایہ کھڑے تھے۔ ایک ایک مسلمان آتا تھا اور دستِ مبارک پکڑ کر اقرار کرتا تھا کہ جب تک تن میں جان ہے دشمن کے مقابلے سے منھ[۱] نہ موڑونگا۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اور اِسی کی نسبت کلامِ مجید میں ارشاد ہے:-

---

[۱] الفاظ بیعت میں اختلاف روایت ہے بعض نے موت لکھا ہے بعض نے عدم فرار

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ — یہ بات تحقیق ہے کہ اللہ مومنوں سے خوش ہوا جس وقت کہ
یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ — تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

چونکہ حضرت عثمان غیر حاضر تھے اس لیئے آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لے کر ان کی جانب سے بیعت کی۔ بعد بیعت معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے قتل کی خبر غلط تھی۔ اُدھر مسلمانوں کا یہ عزم دیکھ کر قریشیوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور سہیل نامی قاصد کے زبانی یہ پیام بھیجا کہ اِس سال مسلمان واپس جائیں آئندہ سال داخلۂ مکہ اور زیارتِ بیت اللہ کی اجازت دی جائیگی۔ اب اگر مسلمان داخلِ مکہ ہوئے تو ہم کو اندیشہ ہے کہ عرب خیال کرینگے کہ قریش مسلمانوں سے دب گئے۔ طویل مباحثے کے بعد شرائط صلح طے ہوئیں اور معاہدہ قلم بند ہونے لگا۔ شرائطِ صلح سے بظاہر کفار کی کامیابی ثابت ہوتی تھی۔ حضرت عمر کو اس سے اضطراب ہوا اور وہ جھپٹ کر حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور فاروقی لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا۔ حضرت ابوبکر نے سن کر جواب دیا:۔

اَلْزِمْ غَرْزَہٗ — آپ کی رکاب تھامے رہو

اِس سے بھی اطمینان نہ ہوا تو فاروقِ اعظم نے اپنا خیال خود حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر کیا آپ نے فرمایا کہ میں وحیِ ربّانی کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ الغرض حضرت علی نے معاہدہ تحریر فرمایا۔ بعد تکمیل مسلمانوں کی جانب سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابۂ کرام کے دستخط ہوئے۔ بعد معاہدہ آپ نے اسی مقام پر ارکان عمرہ ادا فرما کر مدینہ کو مراجعت کی۔ راستہ میں سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔ امام زہری کا قول ہے کہ اسلام میں اس سے پہلے کوئی فتح واقعہ حدیبیہ سے

بڑھ کر نہیں ہوئی تھی۔ اب تک مسلمان اور کافر جہاں ملتے تھے لڑنے کے واسطے اب صلح کی وجہ سے آشتی کے ساتھ ملنے لگے۔ اور کافروں کو احکامِ اسلام باطمینان سننے کا موقع ملا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو ذرا بھی دانشمند تھے مسلمان ہو گئے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد دو سال کے عرصہ میں اِس قدر مسلمان ہوئے جس قدر اُس سے پہلے ۱۹ برس کے زمانے میں ہوئے تھے بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ ابنِ ہشام کا مقولہ ہے کہ امام زہری کے قول کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ میں چودہ سو آدمی حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اِس کے دو سال ہی کے بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار تھے۔

خیبر۔ محرم ۷ھ حدیبیہ سے مراجعت فرمانے کے بعد حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینے سے زائد مدینہ میں قیام فرمایا اور آخر محرم میں یہودیوں کا فتنہ فرو کرنے کے ارادہ سے خیبر کو تشریف لے گئے۔ خیبر بہت سے قلعوں کا مجموعہ اور یہودیوں کا ملجا و ماویٰ تھا۔ یہودی قلعہ بند ہو کر لڑے اور مختلف قلعوں پر معرکے رہے۔ لشکرِ اسلام کا بڑا سفید نشان حضرت شیرِ خدا کے سپرد تھا۔ ایک قلعہ پر حضرت ابوبکر امیر لشکر مقرر ہو کر گئے۔ مگر فتح نہ ہوا دوسرے روز حضرت عمر نے حملہ کیا وہ بھی کامیاب نہ ہوئے۔ تیسرے روز حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج میں ایسے شخص کو امیر لشکر بنا کر نشان دونگا جو خدا اور اُس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور جو بھاگنے والا نہیں اُس کے ہاتھ سے قلعہ فتح ہوگا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضےٰ کو نشان ملا اور حملۂ حیدری سے قلعہ سر ہو گیا خیبر صفر ۷ھ میں فتح ہوا۔

فتح مکہ رمضان ۸ھ جو معاہدہ صلح حدیبیہ میں ہوا تھا کفار قریش نے جلد توڑ ڈالا۔ قبیلۂ خزاعہ

۱؎ خیبر۔ مدینہ سے آٹھ منزل شام کی جانب ہے

(جو مسلمانوں کا حلیف (ہم پیمان) تھا قبیلۂ بنو بکر نے حملہ کیا یہ قبیلۂ قریش کا حلیف تھا۔
خلاف شرائطِ معاہدہ قریش نے اپنے میل والوں کو مدد دی، انتہا یہ کہ قبیلۂ خزاعہ کو جوار
کعبہ میں بھی پناہ نہ ملی اور حرم کے اندر قتل کیئے گئے۔ آخر انھوں نے اپنا قاصد فریاد
لے کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ جس وقت ابن سالم اُن کا ایلچی حاضر خدمت ہوا۔ حضرت
سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم معہ صحابۂ کرام مسجد نبوی میں رونق افروز تھے۔ ابن سالم
نے ایک دردناک نظم پڑھی جس میں مدد کی التجا تھی۔ اور قبیلۂ خزاعہ کی مصیبت کی تشریح
آپ نے سن کر فرمایا کہ تم کو مدد ملیگی۔ اِسی عرصے میں دوسرا وفد طلبِ مدد کے واسطے حاضر
ہوا۔ دسویں رمضان المبارک کو آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے معہ دس ہزار لشکر کے
مکّہ کی طرف کوچ فرمایا۔ آپ کے عم بزرگوار حضرت عباس نے اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ اگر
کفار نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا تو کیا مصیبت نازل ہوگی۔ اِس لیئے آگے بڑھ کر قریش
کی اطاعت کا پیام آپ کی خدمت میں پیش کیا جو منظور ہوا۔ اور سب کی جاں بخشی کا اعلان
فرما دیا گیا۔ چند مشرک جو اسلام کے شدید دشمن تھے امان سے محروم رہے۔ اُن کا نام لیکر
فرما دیا گیا کہ اگر کعبہ کے پردوں بھی پلٹے ہوئے ملیں تو قتل کر دیئے جائیں۔ اِس موقع پر خیال
کرنا چاہیئے کہ یہ وہ اہلِ مکہ تھے جنھوں نے تیرہ برس تک انتہائی سفاکی اور ظلم کے ساتھ آپ کو
اور آپ کے ساتھیوں کو اذیتیں پہونچائی تھیں۔ وطن سے بے وطن کیا۔ مدینہ میں بھی برسوں
چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ آج جب دس ہزار جاں نثار ہم رکاب ہیں۔ مکہ کے فتح ہونے اور
کفار کو سزائے کردار ملنے کا وقت آتا ہی تو رحمت کا ظہور ہوتا ہی اور بے دریغ دولت
امن و اماں لٹائی جاتی ہی۔ حکم ہوتا ہی کہ جو اپنے دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھ
جائیں محفوظ۔ جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لیں اُن کا خون معاف۔ ذرا سوچو ابو سفیان

کس کا نام تھا۔ جن لوگوں کی نسبت یہ عتاب تھا کہ خانہ کعبہ کے پردے بھی اُن کو امان و پناہ نہ دیں اُن کی بھی سفارشیں ہوئی ہیں اور خطا معاف ہو جاتی ہے۔ اس واقعۂ عظیم کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھو کہ یورپ کے منصف مزاج مصنف نبی کریم (علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم) کی تصویر ایک ایسے خونخوار شخص کی شکل میں پیش کرتے ہیں جو جوشِ انتقام میں بیخود ہو۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اپنے والد ابو قحافہ کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تاکہ اُن کو تلقینِ اسلام فرمائیں۔ آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ ابو بکر تم نے شیخ (بڑے میاں) کو مکان پر رہنے دیا ہوتا میں خود اُن کے پاس چلتا۔ عرض کی یا رسول اللہ اُنہی کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے تھا۔ آپؐ نے ابو قحافہ کو سامنے بٹھایا اور سینہ پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "اَسْلِمْ"۔ اسلام لے آؤ۔ ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

حنین[1] فتح مکہ نے قریش کی مخالفت کا تو خاتمہ کر دیا اور وہ ہمیشہ کے واسطے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ لیکن نواحِ مکہ میں ہنوز جوشِ مخاصمت برپا تھا۔ قبیلۂ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے اپنے قبیلہ کو جمع کیا۔ ہوازن کے حلیف ثقیف وغیرہ قبائل بھی فراہم ہوئے اور سب نے مل کر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کا عہد کیا۔ دُرَید نے (جو ایک اہلِ الرائے سن رسیدہ شخص تھا) مالک کو بہت سمجھایا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے مگر مطلق اثر نہ ہوا۔ جب آپ کو ان قبائل کے ارادہ کی خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت عبداللہ اسلمی کو دریافتِ حال کے واسطے بھیجا۔ اُنھوں نے واپس آکر بیان کیا کہ قبائلِ ہوازن وغیرہ پوری طرح آمادۂ پیکار ہیں۔ یہ سُن کر آں حضرت

[1] حنین۔ ایک وادی مکہ سے تین میل ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے کوچ کا حکم دیا۔ علاوہ اُن دس ہزار آدمیوں کے جو مدینہ سے آئے تھے دو ہزار اہلِ مکہ بھی ساتھ ہوئے۔ اِس طرح بارہ ہزار آدمیوں کی جمعیت رکابِ سعادت میں تھی وادی حنین میں مقابلہ ہوا۔ قبائل کے لشکر مخالف کے عزم و ثبات کا یہ عالم تھا کہ ایک دیوار آہنیں معلوم ہوتا تھا۔ معرکۂ کارزار گرم ہوا مسلمانوں کے قدم اوّل ہی حملے میں اُکھڑ گئے۔ حضرت سرورِ عالم نے اہلِ اسلام کی جمعیت قایم کرنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن تفرقہ نہ مٹ سکا۔ اُس وقت آپ کی خدمت میں صرف چند مہاجرینؓ انصار حاضر تھے باقی تمام لشکر متفرق ہو گیا تھا۔ منجملہ حاضرین حضرت ابو بکر و حضرت عمر تھے اہلبیت میں سے حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلائی حضرت ام ایمن کے بیٹے حضرت ایمن (جو اُسی روز شہید ہوئے) حاضر تھے حضرت عباس آپ کے سفید خچر کی باگ تھامے ہوئے تھے وہ نہایت جسیم اور بلند آواز تھے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ باواز بلند پکارو "یا معشر الانصار یا معشر اصحاب سمرۃ" اس ندا کے سامنے سارے تفرقہ اور ابتری نے سپر ڈال دی۔ ادہر عم رسول نے باواز بلند پکارا "یا معشر الانصار یا معشر اصحاب سمرۃ" اُدہر "لبیک لبیک" کی صدا سے جنگل گونج اُٹھا۔ گلہ نے اپنے راعی کی آواز پہچان لی اب بیتابی کا یہ عالم ہی کہ اونٹ قابو میں نہ آئے تو سب نے آہنی زرہیں اُتار اُتار کر اُن کی گردنوں پر ڈال دیں ہلکے ہو ہو کر کودے۔ اور شمشیر بکف پروانہ وار شمع رسالت (روحی فداہ) کے گرد جمع ہو گئے۔ جس وقت سو آدمی فراہم ہو گئے ہلّہ کا حکم دیا گیا۔ اُن کی جاں بازی دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اب معرکہ کارزار میں گرمی آئی۔ حضرت شیرِ خدا اور ایک

انصاری نے ملکر دشمن کے نشان بردار پر حملہ کیا۔ حضرت علی نے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے
وہ گرا تو انصاری نے ایک ہاتھ میں سوار کا کام تمام کر دیا۔ اسی عرصے میں مسلمانوں کی
جمعیت زیادہ ہو گئی اور میدان اعدا سے جیت لیا۔ جب لشکر کا آخری حصہ لوٹ کر میدان
میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ قیدی مشکیں کسے میدان میں پڑے تھے۔

تبوکؔ رجب ۹ھ اسلام کی آب و تاب اب دُور دُور تک نگاہوں کو خیرہ کرنے لگی اور کفر کے
حلقوں میں تہلکہ بڑھتا گیا۔ پرخاش اور مخالفت کا دائرہ عرب اور یہود سے گزر کر روم
تک جا پہونچا۔ اِسی سلسلے میں فتح مکہ سے پہلے حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے
ایک مُہم رومیوں کے مقابلہ پر روانہ فرمائی۔ جو سیرت میں غزوۂ موتہ کے نام سے مشہور ہے
اِسی معرکے میں حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے (رضی اللہ عنہما)
اب یہ خبر پہونچی کہ خود ہرقل روم باتفاق نصارائے عرب حملہ پر آمادہ ہے۔ آں حضرت صلّی اللہ
علیہ وسلم نے اس شر کے دفع کرنے کی تیاریاں شروع فرمائیں۔ یہ مُہم ایک بڑی سلطنت کے
مقابلے پر تھی اور منزل دور دراز عرب میں قحط پڑا ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے اس غزوہ
کا نام جیش العسرۃ (مصیبت کا لشکر) ہے۔ سب پر طرہ یہ کہ موسم کھجوروں کے پختہ ہونے
کا تھا اِس موسم میں اہل مدینہ باہر نہیں جاتے تھے۔ باغوں میں درختوں کے نیچے کھجوریں
جمع کرتے احباب کے ساتھ مل کر کھاتے کھلاتے۔ اِن اسباب سے منافقین نے خوب نفع اٹھایا
اور دل کھول کر مسلمانوں میں تفرقہ اور مہم میں خلل ڈالا۔ حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ
علیہ وسلم نے مسلمان دولت مندوں کو تیاری لشکر میں مدد دینے کی ترغیب فرمائی۔ حضرت عمرؓ
نے خود بیان کیا ہے کہ جس وقت لشکر تبوک کے انفاق (چندہ) کا ارشاد ہوا اُس وقت

ا؎ تبوک شام کا سرحدی شہر مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل ہے۔

میں خوب مال دار تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر ابو بکر سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ یہی موقع ہی۔ گھر گیا اور بہت سا مال لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا فرمایا عمر بال بچوں کے واسطے کیا چھوڑا۔ جواب دیا اسی قدر۔ اِس کے بعد حضرت ابو بکر نے اپنا انفاق (چندہ) پیش کیا۔ استفسار ہوا ابو بکر بال بچوں کے لیئے کیا رکھا۔ عرض کی:-

اَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ — اُن کے واسطے اللہ اور اُس کا رسول رکھ لیا ہی

(یعنی مال ظاہری کچھ نہیں چھوڑا) یہ سن کر حضرت عمر نے کہا کہ میں ابو بکر سے کبھی بازی نہیں لے جا سکتا۔ لشکر تبوک کے جائزہ اور امامت کا منصب اور بڑا نشان حضرت ابو بکر کے سپرد تھا۔ فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ تبوک پہونچکر معلوم ہوا کہ دشمن نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی یوحنا حاکم ایلیا[1] نے حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمانِ صلح عطا فرمایا اور مع الخیر مدینہ کو معاودت فرمائی۔

حج ۹ھ — ذی حجہ ۹ھ میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ حج مکہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر امیر حج مقرر ہوئے۔ اسلام میں یہ پہلے امیر حج ہیں۔ بیس جانور قربانی کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اور پانچ خود اُن کے ہمراہ تھے۔ تین سو آدمیوں کا قافلہ تھا۔ اس سال مومن و مشرک دونوں نے حج ادا کیا اُس کے بعد مشرکوں کے واسطے داخلۂ حرم ممنوع ہو گیا۔ اِسی حج کے زمانے میں سورۂ برأت کی تبلیغ حضرت علی مرتضیٰ نے بآوازِ بلند متواتر من جانب حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائی:-

وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ — ۱۰ھ میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا چونکہ یہ حج آپ کا آخر حج تھا اور خطبے میں آپ نے اعلان

[1] ایلیا شہر بیت المقدس

فرما دیا تھا۔ اس لیئے اس کا لقب حجۃ الوداع ہی۔ معاودت فرمانے کے بعد مزاج اقدس ناساز ہوا۔ آخر صفر یا شروع ربیع الاوّل میں علالت وفات کی ابتدا ہوئی۔ ایک روز نصف شب کے وقت آپ گورستانِ بقیع کو (جہاں آپ کے رفقا دفن ہیں) تشریف لے گئے۔ ابو مُوَیہبہ آپ کے غلام سے روایت ہی کہ اُس شب کو مجھ کو یاد فرما کر ارشاد کیا کہ اہلِ بقیع کے واسطے دُعائے مغفرت کرنے کا حکم مجھ کو ہوا ہی تم ہمراہ چلو۔ چنانچہ میں ساتھ گیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے قبور کے وسط میں قیام فرما کر کہا:-

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْمَقَابِرِ لِیَھْنِیْ	اے بقیع کے قبروں میں سونے والو! تم جس حال
لَکُمْ مَا اَصْبَحْتُمْ فِیْہِ مِمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ	میں ہو وہ بہت اچھا ہی اس حال سے جس میں زندہ
فِیْہِ اَقْبَلَتِ الْفِتَنُ کَقِطَعِ اللَّیْلِ	انسان ہیں۔ تاریک رات کے حصّوں کی طرح فتنے چلے
الْمُظْلِمِ یَتْبَعُ اٰخِرُھَا اَوَّلَھَا۔ اَلْاٰخِرَۃُ	آرہے ہیں پچھلا فتنہ اگلے کو نگلے لیتا ہی اور اگلے سے
شَرٌّ مِّنَ الْاُوْلٰی	پچھلا بدتر ہی

اِس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ابو مویہبہ میرے سامنے دُنیا کا ابدی قیام اُس کے خزانوں کی کنجیاں اور جنت پیش کی گئی۔ میں نے اپنے رب کے دیدار اور جنت کو انتخاب کر لیا" میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ دُنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور یہاں کا ابدی قیام پسند فرما لیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں میں لقاء ربّانی اور جنّت پسند کر چکا یہ فرما کر اہلِ بقیع کی مغفرت کی دعا کی اور دولت خانہ کو واپس تشریف لے آئے۔ حجرے میں پہونچے تو حضرت عائشہ کے سر میں درد تھا آپ نے فرمایا میرے سر میں بھی درد ہی۔ یہ ہی آغازِ مرض تھا۔ جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ دورانِ مرض میں بھی حسب معمول آپ باری باری سے ازواجِ مطہرات کے یہاں قیام فرماتے رہے۔ جب مرض کی زیادہ شدّت

ہوئی تو سب بی بیوں کو جمع فرما کر ایام مرض میں حضرت عائشہ کے یہاں قیام کی اجازت حاصل کی۔ بعد اجازت حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس کے شانوں پر دستِ مبارک رکھ کر حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ سر بندھا ہوا تھا اور پاؤں فرط ضعف سے زمین پر کھنچے جاتے تھے۔ زمانہ علالت میں ایک روز مسجد میں تشریف لائے منبر پر بیٹھ کر اول شہدائے احد کے واسطے دعائے مغفرت کی اس کے بعد فرمایا:۔

اِنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰہِ خَیَّرَہُ اللّٰہُ بَیْنَ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَا عِنْدَہٗ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللّٰہِ — یعنی اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور قربِ الٰہی میں سے جسے چاہے پسند کرے اُس نے اللہ کے قرب کو پسند کر لیا

حضرت ابوبکر فراستِ ایمانی سے اس قول کی تہ کو پہنچ گئے۔ رونے لگے اور کہا:۔

بَلْ نَفْدِیْکَ بِاَنْفُسِنَا وَاٰبَائِنَا — نہیں بلکہ ہم اپنی جانیں اور اپنے باپ آپ پر سے قربان کر دینگے

آپ نے سن کر ارشاد فرمایا:۔

عَلٰی رِسْلِکَ یَا اَبَابَکْرٍ — ابوبکر سنبھلو

پھر ارشاد فرمایا کہ جس قدر مکانوں کے دروازے صحنِ مسجد میں ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں مگر ابوبکر کے گھر کا دروازہ بدستور رہے۔ یہ کہہ کر فرمایا:۔

فَاِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا کَانَ اَفْضَلَ فِی الصُّحْبَۃِ عِنْدِیْ یَدًا مِّنْہُ فَاِنِّیْ لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا وَلٰکِنْ صُحْبَۃٌ وَّاِخَاءُ اِیْمَانٍ حَتّٰی — میں کسی کو نہیں جانتا جو میرے نزدیک رفاقت میں بقبال احسانات کے ابوبکر سے افضل ہو۔ پس اگر میں کسی کو قلبی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو بناتا۔ مگر یہ صرف رفاقت اور اخوۃ ایمانی ہی یہاں تک کہ

يَجْمَعُ اللّٰهُ بَيْنَنَا عِنْدَهٗ — خدا تعالیٰ ہم کو اپنے پاس جمع کرلے

اِس کے بعد مہاجرین کو تاکید فرمائی کہ انصار کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔ جب مرض کو اور زیادہ شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ نماز کی امامت کریں۔ یہ سن کر حضرت عائشہ نے کہا کہ:۔

رَجُلٌ رَقِيقٌ ضَعِيفُ الصَّوْتِ كَثِيرُ الْبُكَاءِ اِذَا قَرَأَ الْقُرْاٰنَ — وہ ایک نرم دل کمزور آواز کے آدمی ہیں جب قرآن پڑھتے ہیں تو بہت روتے ہیں

مطلب یہ تھا کہ امامت کا بار نہ اٹھا سکینگے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھڑک کر دوبارہ حکم فرمایا۔ چنانچہ پنج شنبہ کی عشا کی وقت سے حضرت صدیق نے امامت شروع کی اور اس طرح سترہ نمازیں حیاتِ مبارک میں پڑھائیں۔ دوشنبہ کو نمازِ صبح کے وقت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ اٹھا کر باہر تشریف لائے۔ دردِ سر کی شدت کی وجہ سے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ صحابۂ کرام کی جماعت اور نماز دیکھ کر چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے دمکنے لگا۔ آپ آگے بڑھے تو لوگوں نے راستہ دے دیا۔ حضرت ابوبکر سمجھ گئے کہ آں حضرت تشریف لاتے ہیں۔ پیچھے ہٹنے لگے آپ نے پیٹھ پر ہاتھ مار کر فرمایا صَلِّ بِالنَّاسِ (نماز پڑھاؤ) خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی دائیں جانب بیٹھ گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ بعد نماز بآوازِ بلند (جو مسجد کے باہر تک جاتی تھی) وعظ ارشاد فرمایا۔ اُس میں یہ جملے بھی تھے:۔

اَيُّهَا النَّاسُ سُعِّرَتِ النَّارُ وَاَقْبَلَتِ الْفِتَنُ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ وَاِنِّىْ وَاللّٰهِ مَا تُمْسِكُوْنَ عَلَىَّ بِشَيْءٍ لَمْ اُحِلَّ — اے لوگو آگ روشن کی گئی اور فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح چلے آتے ہیں۔ اور قسم ہے رب کی میرے ذمہ تمہارا کچھ مطالبہ نہیں ہے میں نے وہی حلال بتایا

اِلَّا مَا اَحَلَّ الْقُرْاٰنُ وَلَمْ اُحَرِّمْ   جس کو قرآن نے حلال کیا اور وہی حرام بتایا جس کو

اِلَّا مَا حَرَّمَ الْقُرْاٰنُ   قرآن نے حرام کیا

جب کلام مبارک ختم ہو لیا تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی اے اللہ کے نبی آج تو خدا کے فضل و کرم سے آپ ایسے اچھے ہیں جیسا ہم سب کا دل چاہتا تھا۔ آج بنت خارجہ[1] کے یہاں جانے کی باری ہے اجازت ہو تو وہاں جاؤں۔ آپ نے اجازت فرمائی۔ پھر آپ دولت خانہ میں تشریف لے آئے۔ صدیق اکبرؓ سنح کو چلے گئے۔ اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک مزاج مبارک درست رہا۔ چنانچہ جب حضرت علی مرتضیٰ آپ کے پاس سے باہر آئے اور لوگوں نے خیریت دریافت کی تو جواب دیا:۔

اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰہِ بَارِئًا   آج صبح سے خدا کا شکر ہے صحت ہے

مسجد سے واپس تشریف لانے پر حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کی آغوش میں تکیہ لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ اسی اثناء میں آپ نے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے ہاتھ میں مسواک دیکھی اور اس کو بہ نظرِ رغبت ملاحظہ فرمایا۔ حضرت عائشہ نے منشاء مبارک سمجھ کر مسواک ہاتھ سے لے لی۔ پہلے خود چبا کر نرم کی پھر حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُس کو پیش کیا آپ نے مسواک لے کر پوری قوت کے ساتھ دندانِ مبارک پر پھیری اور پھیرنے کے بعد رکھ دی بعد مسواک جب آپ کے بدن کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگا تو حضرت عائشہ نے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھا۔ پتلیاں چڑھ گئی تھیں اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی   اے اللہ مقام رفیق اعلیٰ میں پہونچا

---

[1] حضرت ابو بکر کی بی بی تھیں جو سنح میں رہتی تھیں

تین بار یہ کلمات ادا فرما کر بتاریخ ۱۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ھ روز دوشنبہ وقت چاشت حلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ وصلّی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔ صدیق اکبر نے اس سانحۂ ہوش رُبا کی خبر سُنی اور فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور مسجد کے دروازے پر پہونچ کر گھوڑے سے اُترے۔ حضرت عمر مسجد میں مجمع کے سامنے گفتگو کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر نے کسی جانب التفات نہیں کیا اور سیدھے حجرۂ مبارک میں پہونچے۔ چہرۂ انور سے بُرد یمانی ہٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:۔

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا	آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کی حیات اور
اَمَّا الْمَوْتَۃُ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیْکَ	وفات دونوں پاک ہیں۔ جو موت آپ کے حق میں اللہ
فَقَدْ ذُقْتَھَا ثُمَّ لَنْ تُصِیْبَکَ بَعْدَھَا	نے لکھ دی تھی اُس کا ذائقہ آپ نے چکھ لیا اب اس کے
مَوْتَۃٌ اَبَدًا	بعد آپ کبھی وفات نہ پائینگے

یہ کہہ کر چادرِ اطہر ڈھک دی اور باہر آئے۔ اُس وقت حضرت فاروق مجمع سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے "منافق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی واللہ وفات نہیں پائی ہے بلکہ اپنے رب کے پاس موسیٰ کی طرح گئے ہیں جو چالیس روز غائب ہو کر واپس آگئے تھے حالانکہ اُن کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پاگئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم مراجعت کرینگے اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹینگے جو کہتے ہیں کہ آپ نے رحلت فرمائی"۔ حضرت ابو بکر نے یہ کلام سنا تو کہا اے عمر سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ۔ وہ چُپ نہوئے تو حضرت صدیق اکبر نے خود سلسلہ گفتگو شروع کر دیا۔ حاضرین حضرت عمر کو چھوڑ کر ادہر متوجہ ہوگئے۔ صدیق اکبر نے پہلے حمد وثنا بیان کی اُس کے بعد کہا:۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ
مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ
يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ
وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ
قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ
عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا
وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِينَ

اے لوگو جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا تو (وہ سمجھ لے کہ)
محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود مانتا تھا تو
(وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مریگا (خدا
کا ارشاد ہی) اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول اُن سی
پہلے رسول گزر چکے ہیں تو کیا وہ اگر مرجائینگے یا
قتل کردیئے جائینگے تو تم برگشتہ ہوجاؤگے اور جو
شخص برگشتہ ہوجائیگا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہونچائیگا
اور اللہ شکرگزاروں کو عنقریب جزا دیگا

اس آیۃ پاک کو سُن کر لوگ چونک پڑے اور گویا اُن کو یاد آگیا کہ یہ آیۃ بھی نازل ہوئی ہی بروایت حضرت ابوہریرہ حضرت عمر کا بیان ہی کہ اس آیۃ کو سُن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے۔ کھڑے رہنے کی قوت نہ رہی میں زمین پر گر گیا۔ اور مجکو یقین ہوگیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت[۱] فرمائی۔

باب دوم۔ خلافت

سقیفہ بنی ساعدہ

اسی حالت میں کہ مہاجرین مسجد نبوی میں جمع تھے ایک شخص نے آکر کہا کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں فراہم ہوکر خلافت کے بارہ میں مشورہ کررہے ہیں

۱ ایام خلافت میں ایک مرتبہ فاروق اعظم نے حضرت عبداللہ بن عباس سے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن جو میرا کلام تھا اُس کا منشا یہ آیۃ تھی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ میں اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت میں آخر وقت تک قیام فرما کر اُس کے اعمال کی شہادت ادا فرمائینگے

اگر تم کو امت کے بچانے کی ضرورت ہی تو بچا لو۔ قبل اس کے کہ کام ہاتھ سے نکل جائے
یہ سنتے ہی حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ ہم کو اپنے بھائیوں انصار کے پاس چلنا
چاہیئے۔ چنانچہ دونوں صاحب روانہ ہوئے راستہ میں حضرت ابو عبیدہ بھی شامل
ہوگئے۔ آگے بڑھے تو دو انصاری ملے اور پوچھا کہاں جاتے ہو۔ فاروق اعظم نے
جواب دیا انصار کے جلسے میں انصاریوں نے کہا وہاں نہ جائیے مہاجرین کو اپنا معاملہ
خود طے کر لینا چاہیئے۔ حضرت عمر نے قسم کھا کر کہا ہم ضرور جائینگے۔ اس موقع پر یہ بیان
کر دینا مناسب ہی کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں کیا ہو رہا تھا۔ جب انصار سقیفے میں جمع
ہو لیئے تو سب سے اوّل حضرت سعد بن عبادہ نے خطبہ دیا۔ پہلے حمد و ثنا الٰہی بیان کی
پھر کہا:۔

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ لَكُمْ سَابِقَةٌ فِي	اے گروہِ انصار تم کو دین میں وہ سبقت اور اسلام
الدِّيْنِ وَفَضِيْلَةٌ فِي الْإِسْلَامِ لَيْسَتْ	میں وہ فضیلت حاصل ہی جو عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں
لِقَبِيْلَةٍ مِنَ الْعَرَبِ، اَنَّ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ	ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد علیہ السلام اپنی قوم میں کچھ
السَّلَامُ لَبِثَ بِضْعَ عَشَرَةَ سَنَةٍ	اوپر دس برس رہ کر اُس کو خدا کی عبادت اور بت پرستی
فِيْ قَوْمِهٖ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عِبَادَةِ الرَّحْمٰنِ وَ	کے ترک کی جانب بلاتے رہے۔ مگر باستثنا قلیل ان
خَلْعِ الْاَنْدَادِ وَالْاَوْثَانِ فَمَا اٰمَنَ	کی قوم میں سے کوئی ایمان نہ لایا۔ جو ایمان لائے انھیں
بِهٖ مِنْ قَوْمِهٖ اِلَّا رِجَالٌ قَلِيْلٌ وَكَانَ	اتنی قوت نہ تھی کہ رسول اللہ کی حفاظت کرتے دین کا اعزاز
مَا كَانُوْا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يَّمْنَعُوْا	بڑھاتے اور اپنے آپ سے ظلم اعدا کو دفع کرتے جس میں سب
رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ يُّعِزُّوْا دِيْنَهٗ	مبتلا تھے۔ یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہوا کہ تم کو عزت
وَلَا اَنْ يَّدْفَعُوْا عَنْ اَنْفُسِهِمْ ضَيْمًا	دے تو اُس نے تم کو شرف بخشا فضیلت کے ساتھ

عموا به حتى اذا اراد بكم الفضيلة ساق	مخصوص فرمایا اور اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانے
اليكم الكرامة وخصكم بالنعمة	کی توفیق عطا فرمائی ۔ نیز اس امر کی کہ تم رسول اللہ اور اُن کے
فرزقكم الله الايمان به وبرسوله	اصحاب کی حفاظت کرو اُن کا اور اُن کے دین کا اعزاز
والمنع له ولاصحابه والاعزاز له	بڑھاؤ اور اُن کے دشمنوں سے جہاد کرو ۔ اس کے بعد تم
ولدينه والجهاد لاعدائه وكنتم	اُن کے دشمنوں پر (خواہ وہ تم میں سے تھے یا تمھارے
اشد الناس على عدوه منكم واثقله	غیر) سب سے زیادہ سخت اور بھاری ہو گئے یہاں تک
على عدوه من غيركم حتى استقامت	کہ تمام عرب کے سر حکم الٰہی کے سامنے طوعاً و کرہاً جھک
العرب لامر الله طوعا وكرها و	گئے ۔ اور تمھارے تلواروں نے عرب کو فرماں بردار
واعطى البعيد المقادة صاغرا	بنا دیا ۔ اور تمھارے ذریعے سے خداوند تعالیٰ
داخرا حتى اثخن الله عز وجل لرسوله	نے سرزمین عرب کو مطیع ۔ خداوند تعالیٰ نے اُن کو
بكم الارض ودانت باسيافكم له العرب	(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) وفات دی اور وہ
وتوفاه الله وهو عنكم راض وبكم	تم سے راضی و خوش تھے (خلافت کی نسبت)
قرير عين استبدوا بهذا الامر من	پورا اصرار کرو وہ تمھارا حق ہے نہ کہ
دون الناس فانه لكم دون الناس	اوروں کا

اس خطبے کے ختم ہونے پر تمام مجمع نے تحسین کی اور کہا ہم تمھاری رائے پر عمل کرینگے ۔ تم ہم میں سے سربرآوردہ ہو اور صلحائے مومنین کے محبوب ۔ اس کے بعد باہم بحث و گفتگو ہوتی رہی ۔ دورانِ بحث میں کسی نے کہا کہ اگر مہاجرین نے اپنا یہ دعویٰ پیش کیا کہ ہم مہاجرین اور اوّلین صحابہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و رفیق پھر تم کس طرح ہمارے مقابلہ پر دعویٰ کرتے ہو تو ہمارا جواب کیا ہوگا

اس پر کسی نے کہا کہ ہم یہ جواب دینگے :۔

اِذاً مِنّا اَمِیرٌ وَمِنکُم اَمِیرٌ — اس صورت میں ایک امیر ہم میں سے ہو ایک تم میں سے

اِس کے بغیر ہم کبھی راضی نہ ہونگے۔ یہ سُن کر حضرت سعد نے کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور ابو عبیدہ وہاں پہونچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا یہ کون ہے۔ کسی نے کہا سعد بن عبادہ۔

اِس طرح کیوں لیٹے ہیں ؟

"بیمار ہیں"

اِس سوال وجواب کے بعد تینوں صاحب بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھ جانے پر انصار کا ایک خطیب کھڑا ہوا اور اُس نے انصار کے حقوق وفضائل پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیئے۔ اسی طرح متعدد انصاریوں نے خطبے دیئے۔ جب اُن کے سب خطیب سلسلۂ کلام ختم کر چکے تو حضرت عمر نے خطبہ دینا چاہا (جس کو پہلے سے سوچ چکے تھے) حضرت ابوبکر نے کہا ٹھہرو وہ رُک گئے۔ صدیق اکبر نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اوّل حمد وثنائے الٰہی بیان کی پھر کہا :۔

اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَ مُحَمَّداً رَسُولاً اِلیٰ خَلقِہٖ وَشَاھِیداً عَلیٰ اُمَّتِہٖ لِیَعبُدُ اللّٰہَ وَ یُوَحِّدُوْہُ وَھُمْ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اٰلِھَۃً شَتّٰی وَیَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ عِنْدَہٗ شَافِعَۃٌ وَلَھُمْ نَافِعَۃٌ اِنَّمَا ھِیَ مِنْ حَجَرٍ مَنْحُوْتٍ وَخَشَبٍ مَنْجُوْرٍ ثُمَّ قَرَأَ

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے محمدؐ کو اپنی مخلوق کے پاس رسول اور اُن کی اُمّت کے واسطے راہنما بنا کر بھیجا اس غرض سے کہ بندے اللہ کی عبادت اور اُس کی توحید کا اقرار کریں حالت یہ تھی کہ لوگ متفرق معبودوں کو اس خیالِ خام سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے اُن کے شفیع بن کر نفع پہنچائینگے ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ چوب وسنگ سے تراش لیے

"ويعبدون من دون الله ما لا
يضرهم ولا ينفعهم ويقولون
هؤلاء شفعاؤنا عند الله" وقالوا
"ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله
زلفى" فعظم على العرب ان يتركوا
دين آبائهم فخص الله المهاجرين
الاولين من قومه بتصديقه
والايمان به والمواساة له والصبر
معه على شدة اذى قومهم لهم
وتكذيبهم اياهم وكل الناس لهم
مخالف زار عليهم فلم يستوحشوا
لقلة عددهم وشنف الناس لهم
واجماع قومهم عليهم فهم اول
من عبد الله في الارض وآمن بالله
وبالرسول وهم اولياؤه وعشيرته
واحق الناس بهذا الامر بعده ولا
ينازعهم في ذلك الا ظالم وانتم
يا معشر الانصار من لا ينكر
فضلهم في الدين ولا سابقتهم

گئے تھے۔ (پھر آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے) اور وہ لوگ
اللہ کے سوا ایسے معبود پوجتے ہیں جو نقصان پہونچا سکتے
ہیں اور نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ ہم اُن کی پرستش صرف
اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا قرب بارگاہ الٰہی میں
بڑھائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اپنا دین آبائی کا چھوڑنا
گراں گزرا اُس وقت اللہ نے رسول کی قوم میں سے
مہاجرین اوّلین کو یہ خصوصیت بخشی کہ اُنھوں نے
آپ کی تصدیق کی اور ایمان لائے خدمت کے لئے کمر
بستہ ہوئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ
سخت مصیبتیں جھیلیں اس حالت میں کہ تمام آدمی اُن کو
جھٹلاتے تھے اور دشمن جانی ہو رہے تھے۔ وہ اس
سے باوجود اپنی قلت اور دشمنوں کی سختی کے گھبرائے نہیں
لہذا یہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے سب سے اوّل روئے زمین
پر اللہ کی عبادت کی اللہ اور رسول پر ایمان لائے
اسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقا
اور کنبے والے ہیں اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار
سوائے ظالم کے اس معاملہ میں اُن سے کوئی شخص نزاع
نہیں کرسکتا۔ اور اے معشر الانصار تمھاری دینی فضیلت
اور اسلامی شرف سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا

العظیمة فی الاسلام رضیکم اللہ	تم کو اللہ نے اپنے دین اور رسول کی مدد کے واسطے انتخاب
انصاراً لدینه ورسوله وجعل	کیا۔ اپنے رسول کو تمھاری پناہ میں ہجرت کے بعد
الیکم ھجرته وفیکم جلة ازواجه و	بھیجا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اکثر ازواج
اصحابه فلیس بعد المھاجرین الاولین	و اصحاب تم میں سے ہیں لہٰذا مہاجرین اولین کے
عندنا بمنزلتکم فنحن الامراء و انتم	بعد تمھارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے پس ہم امرا ہوں
الوزراء لا تفتاتون بمشورۃ ولا	تم وزرا۔ تم اپنے مشورہ پر ہٹ مت کرنا ہم بغیر
نقضی دونکم الامور	تمھارے مشورہ کے معاملات طے نہیں کرینگے

ایک روایت کے بموجب آخر میں یہ کہا:۔

وقد رضیت لکم احد ھذین	میں ان دونوں میں سے جس ایک کو تم چاہو انتخاب
الرجلین ایھما شئتم	کرتا ہوں

یہ کہہ کر حضرت ابو عبیدہ اور حضرت عمر کی طرف اشارہ کیا اور دونوں کے مختصر فضائل بیان کئے۔ انصار اس کے بعد بھی جوش کے ساتھ اپنے حقوق بیان کرتے رہے۔ آخر کار حضرت ابو عبیدہ نے کہا:۔

یا معشر الانصار انکم اوّل من	اے گروہ انصار تم نے مدد اور قوت پہونچانے میں
نصر و آزر فلا تکونوا اوّل من	سبقت کی تھی لہٰذا تغیر تبدل کرنے میں سبقت نہیں
بدّل وتغیّر۔	کرنی چاہیئے

یہ سُن کر دو جلیل القدر انصاری یعنی حضرت زید بن ثابت اور حضرت بشیر بن سعد نے اپنے فریق کو سمجھایا۔ حضرت زید بن ثابت نے کہا:۔

ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم	یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

كان من المهاجرين فان الامام
يكون من المهاجرين ونحن انصاره
كما كنا انصار رسول الله صلى الله عليه وسلم

زمرۂ مہاجرین میں سے تھے پس ضرور ہے کہ امام بھی مہاجرین میں
سے ہو اور ہم اُس کے اُسی طرح مددگار ہوں جس طرح
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے

حضرت بشیر بن سعد نے کہا:-

يا معشر الانصار انا والله لئن كنا
اولى فضيلة في جهاد المشركين و
سابقة في هذا الدين ما اردنا به
الا رضا ربنا وطاعة نبينا والكدح
لانفسنا فما ينبغي لنا ان
نستطيل على الناس بذلك
ولا نبتغي به من الدنيا عرضاً
فان الله ولي المنة علينا بذلك
الا ان محمداً صلى الله عليه وسلم
من قريش وقومه احق به واولى
وايم الله لا يراني الله انازعهم هذا
الامر ابداً فاتقوا الله ولا تنازعوهم

اے گروہ انصار اگر ہم نے مشرکوں کے جہاد میں سب سے زیادہ
فضیلت حاصل کی اور دین میں عزت تو اُس سے مقصود
صرف اللہ کی رضا اور اپنے نبی کی اطاعت اور خود
اپنے لئے کسب عمل تھا ہم کو روا نہیں کہ ہم اُس کو دوسرے
آدمیوں کے حقوق میں دست اندازی کا ذریعہ بنا دیں نہ اُس
کے عوض ہم کو جاہ دنیا طالب کرنا چاہیئے۔ خدا ہم کو
اُس کی جزا دیگا۔ خوب سمجھ لو کہ محمد صلے اللہ علیہ
وسلم قریشی تھے اُن کے قوم ان کی جانشینی کی
سب سے زیادہ مستحق و اہل ہے۔ میں بالقسم
کہتا ہوں کہ خدا مجھ کو کبھی نہ دیکھے گا کہ میں اُن سے
اس بارہ میں نزاع کروں۔ پس تم خدا سے ڈرو
اور اُن سے جھگڑا نہ کرو۔

حضرت بشیر کی گفتگو ختم ہونے پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ عمر اور ابو عبیدہ موجود ہیں اُن میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو۔ دونوں نے کہا:-

لا والله لا نتولى هذا الامر عليك

نہیں قسم رب کی اس معاملہ میں ہم تم پر سبقت

فانّك افضل المهاجرين وثانی اثنين	نہیں کر سکتے تم افضل مہاجرین ہو رسول اللہ
اذ هما فی الغار وخليفة رسول الله	صلے اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار اور خلیفۂ نماز
علی الصّلٰوۃ والصّلٰوۃ افضل	اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے بڑھ کر
دين المسلمين فمن ذا ينبغی له ان	ہے پس یہ کس کو زیبا ہی کہ وہ تم پر مقدّم
يتقدّمك او يتولّی هٰذا الامر عليك	ہو یا تمھارے ہوتے ہوئے خلافت کا متولّی بنے
ابسط يدك نبايعك	ہاتھ بڑھاؤ ہم تم سے بعیت کرتے ہیں

جس وقت اُن دو نو صاحبوں نے حضرت ابو بکر کی بعیت کا ارادہ کیا حضرت بشیر بن سعد انصاری نے سبقت کر کے سب سے اوّل بعیت کی۔ اُن کے بعد حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے۔ پھر تو یہ عالم ہوا کہ تمام مجمع بعیت پر ٹوٹ پڑا اور خوف ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ (جو بوجہ مرض مجمع کے اندر لیٹے ہوئے تھے) کچل نہ جائیں۔ جب بعیت کی خبر جلسہ کے باہر پہونچی تو ہر طرف سے آدمی جوق جوق آنے لگے۔ یہاں تک کہ گلیاں اُن کے ہجوم سے بھر گئیں۔ یہ بعیت خاصّہ تھی۔

بعیت عامّہ اگلے روز سہ شنبہ کو بعیت عامّہ ہوئی۔ مسجد نبوی میں مُسلمان جمع ہوئے اوّل حضرت عمر نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا:۔

كنت ارجو ان يعيش رسول الله صلى الله	میری یہ توقع تھی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم
عليه وسلم حتّی يدبّرنا فان يك محمّد	ہم سب کے بعد تک زندہ رہیں گے لیکن اگر محمد صلی اللہ
صلّی الله عليه وسلّم قد مات فانّ الله	علیہ وسلم نے وفات پائی تو تمھارے پاس وہ نور موجود
قد جعل بين اظهركم نورًا تهتدون	ہے (قرآن) جو تم کو راستہ دکھائیگا جس سے
به هدی الله محمّدًا صلّی الله عليه وسلّم	اللہ نے اپنے رسول صلّے اللہ علیہ وسلم کو چلایا

وانّ ابا بکرٍ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثانی اثنین وانہ اولی المسلمین بامورکم فقوموا وبایعوہ

تھا۔ اور ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رفیق غار ہیں اور وہ سب مسلمانوں سے زیادہ تمہارے معاملات کے انصرام کے اہل ہیں اب بڑھو اور اُن سے بیعت کرو

حضرت عمر نے کلام بالاختم کر کے حضرت ابو بکر سے اصرار کیا کہ منبر پر بیٹھیے مگر وہ انکار کرتے رہے۔ آخر حضرت فاروق کا اصرار غالب آیا اور حضرت ابو بکر منبر پر بیٹھے لیکن اُس مقام سے ایک درجہ نیچے جہاں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے جلوس منبر کے بعد عام طور پر مسلمانوں نے بیعت کی (فبایعہ الناس عامۃ) بعد بیعت حضرت ابو بکر نے کھڑے ہو کر خطبۂ خلافت دیا۔ اوّل حمد وثنا الٰہی بیان کی پھر کہا:-

امّا بعد ایّھا النّاس فواللہ ما کنت حریصًا علی الامارۃ یومًا ولا لیلۃ قطّ ولا کنت راغبًا فیھا ولا سألتھا اللہ عزّوجلّ فی سرٍّ وعلانیۃٍ ولکنّی اشفقت من الفتنۃ ولکن کلّفت امرًا عظیمًا مالی بہ طاقۃ ولا یدان الّا بتقویۃ اللہ عزّوجلّ ولوددت انّ اقوی النّاس علیھا مکانی الیوم انّی قد ولّیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اساءت فقوّمونی

بعد حمد الٰہی اے آدمیو واللہ مجکو ہرگز امیر بننے کی حرص نہ کبھی دن میں تھی نہ رات میں اور نہ میرا میلان اُس کی جانب تھا اور نہ میں نے اللہ سے ظاہراً یا پوشیدہ اُس کے لیے دعا کی البتہ مجکو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو مجکو حکومت میں کچھ راحت نہیں ہے بلکہ مجکو ایک ایسے امر عظیم کی تکلیف دی گئی ہے جس کے برداشت کی مجھ میں طاقت نہیں اور نہ وہ بدون اللہ عزوجل کی مدد کے قابو میں آسکتا ہے میری ضرور یہ آرزو تھی کہ آج میری جگہ سب سے زیادہ قوی آدمی ہوتا یہ تحقیق ہے کہ میں تمہارا امیر بنایا گیا اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں راہ راست

الصدق امانة والكذب خيانة
والضعيف فيكم قوي عندي
حتى ازيح عليه حقه انشاء الله
والقوي منكم ضعيف حتى اخذ
الحق منه انشاء الله - لا يدع
قوم الجهاد في سبيل الله الا
ضربهم الله بالذل ولا يشيع
الفاحشة في قوم قط الا عمهم
الله بالبلاء اطيعوني ما
اطعت الله ورسوله فاذا
عصيت الله ورسوله فلا طاعة
لي عليكم قوموا الى صلوتكم يرحمكم
الله تعالى

پر چلوں مجکو مدد دو اگر بے راہ چلوں مجکو سیدھا کردو
صدق امانت ہے اور کذب خیانت جو تم میں کمزور ہے
وہ میرے لئے قوی ہے۔ انشاء اللہ اُس کا حق دلوا دونگا۔
اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور رہیگا اُس سے
انشاء اللہ حق لے کر چھوڑ دونگا۔ جو قوم راہِ حق
میں جہاد چھوڑ دیتی ہے وہ ذلیل کردی جاتی ہے
اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہوجاتا ہے اُس پر
عام طور پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ جب تک
میں اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کروں
تم میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اُس کے
رسول کی نافرمانی کروں تم کو میری اطاعت
نہیں کرنی چاہیئے۔ اب نماز کے واسطے کھڑے
ہو جاؤ خدا تم پر رحم کرے

بعد بیعت خلیفہ رسول اللہ لقب ہوا۔ ایک موقع پر کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب
کیا تو کہا میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اِسی سے میں خوش ہوں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں معنی خلافت پر ایک لطیف بحث لکھی
ہے اگرچہ اُس کی اصلی شان تو خود شاہ صاحب کے الفاظ میں ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ اُس کا خلاصہ عام فہم پیرایہ میں یہاں بھی لکھدیا جائے۔

یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام

تھی اور آپ تمام بنیِ نوع انسان کی ہدایت کے واسطے مبعوث ہوئے تھے۔ بعد بعثت آپ نے جن امور کا اہتمام کوشش بلیغ کے ساتھ فرمایا اگر اُن سب کا استقرار کر کے جزئیات سے کلیات بنائیں اور کلیات سے کلی واحد جو جنس اعلیٰ ہو تو ثابت ہو گا کہ تمام کوششوں کا مرجع اقامت دین تھی۔ یہ جنس اعلیٰ ہے اس کے تحت میں حسب ذیل کلیات آتی ہیں۔ علومِ دین کا احیاء (قایم رکھنا اور رائج کرنا) علوم دین سے مُراد ہے قرآن و سنّت کی تعلیم اور وعظ و نصیحت۔ ارکانِ اسلامِ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج وغیرہ کا قیام و استحکام لشکر کا تقرر غزوات کا اہتمام۔ مقدمات کا انفصال۔ قاضیوں کا تقرر۔ امر بالمعروف (عمدہ افعال و اوصاف کا حکم دینا اور اُن کو رائج کرنا) و نہی عن المنکر (بُری باتوں کو روکنا اور اُن کا انسداد کرنا) جو حکام نائب مقرر ہوں اُن کی نگرانی کہ پابندِ حکم رہیں اور خلاف ورزی احکام نہ کریں۔ اِن جملہ امُور کا اہتمام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس فرمایا اور اُن کے انصرام کے واسطے نائب بھی مقرر فرمائے۔ وعظ و نصیحت فرمائی۔ صحابہ کو ممالک میں وعظ و نصیحت کے واسطے بھیجا۔ جُمعہ و عیدین و پنج وقتہ نماز کی امامت خود فرمائی۔ دوسرے مقامات کے واسطے امام مقرر کیئے۔ وصولِ زکوٰۃ کے واسطے عامل مامور کیئے۔ وصول شدہ اموال کو مصارف مقررہ میں صرف کیا۔ رویت ہلال کی شہادت آپ کے حضور میں پیش ہوتی اور بعد ثبوت روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم صادر ہوتا۔ حج کا اہتمام بعض اوقات خود فرمایا بعض اوقات نائب مقرر کیئے۔ جس طرح سنہ ۹ھ میں حضرت ابوبکر کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا۔ غزوات کی سپہ سالاری خود کی۔ نیز اُمرا ر نائب سے یہ کام لیا گیا۔ مقدمات و معاملات فیصل کیئے۔ قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ علیٰ ھٰذا القیاس باقی امور۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین کے قیام و حفاظت کے واسطے ضروری تھا نائب مطلق یا خلیفہ کا تقرر۔ تاکہ وہ اقامتِ دین کی مذکورہ بالا خدمات کو انجام دے۔

جیشِ اُسامہؓ

مرضِ وفات میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا جس کے سردار حضرت اُسامہ بن زید مقرر فرمائے گئے تھے۔ مدینہ اور نواح مدینہ کے سات سو جوان اس مُہم کے لیئے نامزد ہوئے تھے۔ یہ مُہم رومیوں کے مقابلہ پر اِس لشکر اسلام کے انتقام لینے کے واسطے مامور ہوئی تھی جس کو رومیوں نے ۸ھ میں بمقام موتہ تباہ کیا تھا۔ مگر آپ کی علالت کی شدّت اور وفات کے سبب روانگی نہ ہو سکی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیعت کے دوسرے روز حکم دیا کہ جیشِ اُسامہ تیار ہو کر روانہ ہو۔ منادی نے ندا دی۔

لیتم بعث اسامة الالایبقین	اُسامہ کے لشکر کو تیار ہو جانا چاہیئے تاکید کی جاتی ہے کہ جو
بالمدینة احد الاخرج الی	لوگ اس مُہم میں نامزد ہیں اُن میں سے ایک آدمی بھی مدینہ
عسکرہ بالجرف	میں نہ رہے اور سب کے سب اپنے پڑاؤ پر بمقام جُرفؔ جمع ہو جائیں

یہ پہلا حکم تھا جو حضرت ابوبکرؓ نے بحیثیت خلافت جاری کیا۔ اسی عرصہ میں کہ لشکر چھاونی میں جمع ہوا اور اُس کی روانگی عمل میں آئے عرب کے ارتداد اور یہود و نصاریٰ کی سرکشی کی خبریں متواتر مدینہ میں آنے لگیں ان خبروں سے مُسلمانوں کا تردد بڑھا۔ مورخین کا اِس پر اتفاق ہے کہ یہ وقت مسلمانوں کے لیئے نہایت سخت تھا۔ مُصیبت عظمیٰ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کے سایہ کا سروں سے اُٹھ جانا تھا۔ اِسی کے ساتھ عرب میں

سلہ جُرف مدینہ کے باہر ایک میدان تھا

ارتداد پھیل رہا تھا یہود و نصاریٰ نے ان حالات کو دیکھ کر سرکشی شروع کردی تھی اُس پر طرّہ مُسلمانوں کی قلت۔ دشمنوں کی کثرت۔ صحابی جلیل القدر حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہی کہ اُس وقت مُسلمان بکریوں کے اُس گلّہ سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالت بارش میدان میں بے گلّہ بان کے رہ جائے۔ اِن حالات پر نظر کرکے صحابہ کرام نے امیر المؤمنین سے کہا کہ جو آدمی لشکر اُسامہ میں جارہے ہیں وہ مسلمانوں کے چیدہ و منتخب افراد ہیں عرب کی حالت آپ کی نگاہ کے سامنے ہی اس صورت میں مسلمانوں کی جمعیت کو متفرّق کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا:۔

والذی نفسی بیدہ لو ظننت ان السّباع تخطفنی لانفذت جیش اُسامۃ کما امر بہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ولو لم یبق فی القریٰ غیری لانفذتہ	قسم ہی اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہی اگر مجھ کو یہ بھی گمان ہوتا کہ درندے مجھ کو اُٹھالے جائینگے تو بھی بہ تعمیل حکم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اُسامہ کا لشکر ضرور بھیجتا اگر بستیوں میں سوائے میرے ایک متنفّس بھی باقی نہ رہتا تو بھی روانگی کا حکم یقیناً دیتا

اِس کے بعد بہ خیال مزید اہتمام مُسلمانوں کے سامنے مجمع عام میں خطبہ دیا اور تیاری لشکر کی تاکید کی۔ جب تمام لشکر جُرف کے پڑاؤ پر جمع ہوگیا تو حضرت اُسامہ امیر عسکر نے حضرت عمر کی زبانی حضرت ابوبکر سے کہلا بھیجا کہ مجھ کو اندیشہ ہی کہ میری روانگی کے بعد کفّار خلیفہ رسول اللہ۔ حرم نبوی اور باقی مسلمانوں پر دوڑ پڑینگے اس لیئے اگر آپ اجازت دیں تو مع لشکر مدینہ چلا آؤں اِسی کے ساتھ انصار نے پیغام بھیجا کہ آپ لشکر روانہ ہی کریں تو بجائے اُسامہ[1] کے کسی سِن رسیدہ آدمی کو سردار مقرر کیجئے۔ پہلا پیام سُن کر

[1] حضرت اُسامہ کا سِن اُس وقت اُنیس برس کا تھا

حضرت ابوبکرنے قریباً وہی جواب دیا جو اوپر مذکور ہُوا۔ جب حضرت عمرنے انصار کا پیام سنایا تو حضرت صدّیق غصّے سے بیتاب ہو کر کھڑے ہوگئے اور کہا۔ تم کو موت ہو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ کو امیرِ لشکر بنایا تم مجھ کو ہدایت کرتے ہو کہ میں اُس کو معزول کردوں۔ اِس جواب کے بعد جُرف کے پڑاؤ پر خود گئے اور رخصت کرکے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ جب کوچ ہوا تو حضرت اُسامہ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت ابوبکر پیادہ پا ساتھ ساتھ چل رہے تھے خلیفہ کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت اُسامہ نے حضرت ابوبکر سے کہا یا آپ سوار ہولیں یا مجھ کو پیادہ چلنے کی اجازت دیں۔ جواب دیا کہ نہ میں سوار ہونگا نہ تم کو پیادہ چلنے کی اجازت ملیگی۔ اگر میں ایک ساعت راہِ خدا میں اپنے قدم خاک آلود کردوں تو میری کیا شان جاتی ہے۔ غازی راہِ خدا میں جو قدم رکھتا ہے اُس کے بدلے میں سات سو درجے بلند کیے جاتے ہیں سات سو گُناہ معاف ہوتے ہیں۔ سات سو نیکیاں نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اِس کے بعد لشکر کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

یا ایّھا النّاس قفوا اوصیکم بعشرٍ	اے آدمیو کھڑے ہو جاؤ میں تم کو دس حکم دیتا ہوں اُن کو
فاحفظوھا عنّی:۔ لاتخونوا ولا تغلّوا	میری جانب اچھی طرح یاد رکھنا:۔ خیانت نکرنا۔ دھوکا نہ دینا
ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا	سردار کی نافرمانی مت کرنا۔ کسی شخص کے اعضا مت کاٹنا۔
تقتلوا طفلاً ولا شیخاً ولا کبیراً	کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل مت کیجیو۔
ولا امرأۃ ولا تعقروا نخلاً	کھجور یا اور کسی میوہ دار درخت کو مت کاٹیو
ولا تحرقوہ ولا تقطعوا الشّجرۃ	نہ جلائیو۔ بکری گائے یا اونٹ کو سوائے
المثمرۃ ولا تذبحوا شاۃً و	غذا کی ضرورت کے نہ مارنا۔ تم کو ایسے

لا بقرةً ولا بعيراً الّا لماكلةٍ
وسوف تمرّون باقوامٍ قد فرغوا
انفسهم بالصوامع فدعوهم وما
فرغوا انفسهم وسوف تقدمون
على قومٍ يأتونكم بآنيةٍ فيها الوانُ
الطعام فاذا اكلتم منها شيئاً بعد
شيءٍ فاذكروا اسم الله عليها وتلقون
اقواماً قد فحصوا اوساط رؤسهم
وتركوا حولها مثل العصائب فاخفقوا
هم بالسيف خفقاً اندفعوا باسم
الله افناكم الله الطعن والطاعون

لوگ ملیں گے جو عبادت گاہوں میں گوشہ گیر ہو کر
بیٹھے ہونگے اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا۔
اور تم کو ایسے آدمی ملیں گے جو تمھارے پاس قسم
قسم کے کھانے برتنوں میں رکھ کر لائیں گے جب
تم ان کھانوں کو یکے بعد دیگرے کھاؤ تو خدا کا
نام لیتے جانا۔ (یعنی نعمتیں پاکر خدا کو بھول نہ جانا)
اور تم کو ایک ایسی قوم ملیگی جن کے سر کے
بال بیچ میں منڈے ہونگے اور پیچھے چھوڑے ہونگے
اُنکو تازیانہ کی سزا دی جائے۔ خدا کا نام لے کر
روانہ ہو خدا تم کو (دشمن کے) حربہ اور طاعون
کے حملے سے محفوظ رکھے"

یہ لشکر غرّہ ربیع الآخر کو (یعنی آن حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ٹھیک اُنّیس روز بعد) مدینہ سے روانہ ہوا۔ منزلِ مقصود پر پہونچا اور باختلافِ روایت چالیس دن یا اِس سے کسی قدر زائد عرصہ میں ارشادِ نبوی کی تعمیل کرکے مع الخیر واپس آگیا مؤرخین کا قول ہے کہ اس لشکر کی روانگی سے قبائل میں دھاک بندھ گئی اور اُنھوں نے خیال کیا کہ اگر مسلمانوں میں قوّت نہ ہوتی تو اس لشکر کو مدینہ سے باہر نہ بھیج دیتے۔

ارتداد فتح مکہ[1] کے بعد کثرت سے قبائلِ عرب نے اپنے وفد آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلم

[1] مکہ ۸ھ کے آخری حصہ میں فتح ہوا

کی خدمت میں بھیجے اور اسلام سے مشرف ہوئے - چنانچہ سیرت میں ۹ھ کا نام
"سنۃ الوفود" ہے- اسی سلسلہ میں یمن کے زبردست قبیلے بنو خلیفہ کا وفد بارگاہ
رسالت میں حاضر ہوا - وفد مذکور میں مسیلمہ بھی تھا - اس میں اختلاف ہے کہ مسیلمہ جمال نبوی
کے دیدار سے مشرف ہوا یا نہیں - بہر حال یہ وفد مسلمان ہو کر یمن واپس آگیا اور اس
کی واپسی پر قبیلۂ بنو حنیفہ اسلام لے آیا ۱۰ھ کے آخر میں حضرت سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اہلِ یمن کی ہدایت کے واسطے بھیجا - اس سے قبل چھ
مہینے تک حضرت خالد بن ولید نے تبلیغ اسلام کی مگر کچھ اثر نہ ہوا - حضرت شیر خدا
کی آمد کی خبر سن کر کثرت سے یمنی سرحد پر استقبال کو آئے - صبح کی نماز حضرت علی
نے باجماعت ادا فرمائی - بعد نماز سب اہلِ یمن صف بستہ سامنے کھڑے ہو گئے -
حضرت مرتضیٰ نے ان کو مخاطب کر کے اوّل حمد و ثناء الٰہی بیان فرمائی اس کے بعد
فرمانِ رسالت سنایا اور تلقینِ اسلام کی - اس تلقین کا یہ اثر ہوا کہ اسی روز تمام
ہمدان مسلمان ہو گیا - بعد کامیابی حضرت علی مرتضیٰ نے مراجعت فرمائی اور حجۃ الوداع
کے موقع پر بمقام عرفات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے - غرض ۹ھ اور ۱۰ھ میں ملک
یمن محض تبلیغ کے اثر سے دائرہ اسلام میں داخل ہوا ۹ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی اور
آپ نے اس کے وصول کے واسطے عمال مختلفِ اطراف میں مقرر فرمائے یمن میں باذان
کو بدستورِ سابق تمام یمن کا عامل رکھا - حجۃ الوداع میں باذان کی وفات کی خبر پہونچی اور
آپ نے اسی موقع پر جدید انتظام فرمایا - ملک یمن مختلف حصّوں پر تقسیم کیا گیا اور ہر حصّہ
پر جداگانہ عامل کا تقرر ہوا - حضرت معاذ بن جبل اس خدمت پر مامور ہوئے کہ تمام
ملکِ یمن میں دورہ کر کے احکامِ اسلام کا اجرا کرتے رہیں - اسی عرصہ میں پہلا کاذب

مدعی نبوت یمن میں بمقام صنعا پیدا ہوا جس کا نام اسود عنسی تھا اُس کو بے حد فوری کامیابی ہوئی اور چند ہی دن میں اُس نے ہر طرف آتشِ فساد مشتعل کر دی قبیلہ بنی اسد میں طلیحہ نے دعویٰ نبوت کیا۔ تیسرا مدعی نبوت مُسیلمہ کذاب تھا اسود عنسی کی کامیابی دیکھ کر اُس کو بھی جرأت ہوئی اور دعویٰ نبوت کا منصوبہ قایم کرکے اُس نے اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ کو شریک رسالت کر لیا ہے۔ انتہائے خیرہ سری یہ تھی کہ سنہ ۱۰ھ کے آخر میں اُس نے ذیل کا خط آپ کی خدمت میں بھیجا۔

من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمدؐ	مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کے
رسول اللہ فانی قد اشترکت معک	نام میں رسالت میں تمھارا شریک کیا گیا ہوں
فی الامر وان لنا نصف الارض	آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی مگر
ولقریش نصفہا ولکن قریشا قوم یعتدون	قریشی ایسی قوم ہیں جو ظلم کرتی ہیں

اِس کے جواب میں یہ فرمانِ رسالت مدینہ سے جاری ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے
من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ	محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے مُسیلمہ کذاب کے نام بعد حمد
الکذاب اما بعد فالسلام	پس سلام ہو اُن پر جو راہِ راست کے پیرو ہیں پھر یہ تحقیق
علی من اتبع الھدیٰ فان	ہے کہ ساری زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے وہ
الارض للہ یورثہا من یشاء	جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں
من عبادہ والعاقبۃ للمتقین	کے حصہ میں ہے

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ عادت شریف اول ان مدعیان نبوت کو بذریعہ پند و نصیحت سمجھایا متعدد مراسلات بھیجے۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوا مرتدوں نے مسلمانوں کو

پر دست درازی و تعدّی شروع کی اور جمعیت فراہم کر کے مقابلہ و مقاتلہ کا سلسلہ جاری
کر دیا جب نوبت اس حد تک پہونچی تو آپ نے اُن کے دفعیہ کے واسطے عمّال کے نام
احکام جاری فرمائے اور یہ اہتمام مرضِ وفات کی شدّت میں بھی برابر جاری رہا۔
اسود عنسی کا خاتمہ آپ کی حیات مبارک میں ہو گیا اور آپ نے یہ خبر مُسلمانوں کو
سُنا دی ۔اِس بیان سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی
وفات کے وقت جھوٹے مدّعیانِ نبوّت اور اُن کے پیروؤں کی کیا کیفیت تھی۔
جس وقت آپ کی رحلت کی خبر شایع ہوئی اِن قبائل میں اور اُن کے اثر سے دوسرے
جدید الاسلام قبیلوں میں اضطراب عظیم پیدا ہوا اور تمام مُلکِ یمن میں ایک ہنگامہ
برپا ہو گیا۔ مُسلمان عامل ہٹا دیے گئے اور مرتدین نے دخل کر لیا۔ اسود عنسی اگرچہ
مر چکا تھا لیکن اُس کی فوج مختلف حصہ ہائے مُلک میں منتشر تھی اب وہ پھر جمع ہو کر
ایک لشکر عظیم بن گئی اِسی کے ساتھ ساتھ نواحِ مدینہ میں ارتداد و سرکشی پیدا ہوئی
خُلاصہ یہ کہ مدینے کے باہر صرف دو قبیلے ایسے تھے جو تمام و کمال اسلام پر قایم رہے
یعنی قریش و ثقیف باقی تمام قبائل میں کم و بیش ارتداد کا فساد پھیلا بعضے کُل کے کُل مُرتد
ہو گئے۔ بعض میں کچھ مُسلمان رہے کچھ مرتد ہو گئے۔ ارتداد کا زور زیادہ تر دو طرف
تھا ایک یمن میں، دوسرے نواحِ مدینہ کے قبائل میں۔ اور یہ سب کے سب جدید الاسلام
تھے۔ معرکہ طلب طبایع نے اپنے عروج و سرداری کا حیلہ دعویٰ نبوّت و ارتداد قرار
دے لیا تھا۔ واقعات ذیل سے اس بیان کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قبیلۂ بنی عامر
میں سردار عامر بن الطفیل تھا وہ علانیہ کہتا تھا کہ میں تمام عرب کی امارت کا متمنّی ہوں
ایک قریشی کا اتباع کس طرح کر سکتا ہوں۔ قبیلۂ غطفان قبیلۂ بنی اسد کا حلیف تھا۔

غطفانی کہتے تھے کہ ہم اپنے حلیف اسدیوں کے نبی (طلیحہ) کو چھوڑ کر رسول قریشی کی پیروی کیوں کریں۔ قریش کے نبی نے وفات پائی۔ اسد کا نبی زندہ ہے۔ قبیلہ عبدالقیس میں مرتدوں کا نشان بردار غرور نعمان بن منذر کا پوتا تھا۔ یہ نعمان بن منذر اُس خاندان حمیر کی آخیر یادگار تھا جس نے صدیوں تک یمن میں حکومت کی تھی۔ دعویٰ نبوّت کی انتہائے ارزانی یہ تھی کہ سجاح نامی ایک عورت بھی مدعی نبوّت بن بیٹھی۔ اس نے یمن میں نبی ہونے کا اعلان کیا۔ قبیلہ بنی تغلب (جو نصرانی تھا) اپنا مذہب چھوڑ کر اُس کی اُمّت میں شامل ہوا مدّعیان نبوت کے احکام بھی عجیب تھے۔ طلیحہ کی نکتہ سنجی ملاحظہ ہو نماز کے ارکان میں سے سجدہ موقوف کردیا۔ مسیلمہ کے حکم سے شراب اور زنا مباح و حلال قرار پایا جب اُس نے سجاح مدعیہ نبوت سے نکاح کیا تو اُس کے مہر میں دو وقت کی نماز معاف کردی۔ ایک صبح کی دوسری عشا کی۔ وجہ یہ ظاہر کی کہ ان سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ فتنۂ ارتداد کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ باوجود اس قدر فتنہ و فساد اور ہنگامے کے ایک شخص بھی ایسا مرتد نہیں ہوا جو قدیم الاسلام اور مذہب میں راسخ ہوچکا تھا۔ عموماً جدید الاسلام قبیلے مرتد ہوئے اُن میں بھی اکثر عوام فتنہ جو تھے چنانچہ طلیحہ کے نشان کے نیچے زیادہ تر قبیلہ طے اور اسد کے عوام الناس کا ہجوم تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فراست ایمانی سے آغاز ہی میں اس ہنگامے کی قوت کا پورا اندازہ فرمالیا تھا۔ چنانچہ یمن سے جب ابتداءً قاصد آئے تو خط دیکھ کر اُن سے فرمایا ابھی صبر کرو اُس کے بعد جو خط آئینگے اُن میں اس سے بھی زیادہ سخت خبریں ہونگی اور ہوا بھی یہی۔ اِس کے بعد ہی ہر طرف سے اُمرائے مسلمین کے مراسلے آنے لگے جن میں قبائل کے ارتداد اور اُن مظالم کی اطلاع درج تھی جو مرتدوں کے ہاتھ سے مسلمانوں پر ہوتے تھے۔ نواح مدینہ کے قبائل ذی قرد کو

بالاتفاق مدینہ کا رُخ کیا۔ بنی اسد سمیراؑ میں۔ فزارہ اور غطفان کا ایک حصّہ جنوب مدینہ میں۔ ثعلبہ و مرّہ و عبس کا ایک حصّہ ابرق میں دوسرا ذوالقصہ میں خیمہ زن ہوا۔ اُسی زمانہ میں حضرت عمرو بن العاص اس راستہ سے مدینہ پہونچے اور بیان کیا کہ دبّا سے لے کر مدینہ تک برابر مرتد فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔ ان قبائل نے اِس طرح مدینہ کو گھیر کر اپنے قاصد حضرت ابوبکر کی خدمت میں بھیجے۔ یہ آگ کس قدر جلد بھڑکی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ بیعت خلافت کے دسویں روز ایلچی مدینہ پہنچ گئے تھے۔ مدینہ پہنچ کر قاصد مختلف عمائد کے یہاں مقیم ہوئے۔ عم رسول حضرت عبّاس کی یہ خصوصیت تھی کہ اُنھوں نے کسی قاصد کو اپنے مکان پر نہیں ٹھہرنے دیا۔ ایلچیوں نے اوّل اُن مسلمانوں سے گفتگو کی جن کے یہاں ٹھہرے تھے اُس کے بعد متفق ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور بالاتفاق یہ پیام پہونچایا کہ ہم سے نماز پڑھوا لو مگر زکوٰۃ معاف کر دو۔ اُن کا پیام سُن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا سب نے یہ صلاح دی کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اِس رائے میں شریک تھے۔ ان کے یہ الفاظ ہیں :۔

یا خلیفۃ رسول اللّٰہ تألف الناس وارفق بھم	اے خلیفہ رسول اللہ ان لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجیے

حضرت ابوبکر نے یہ مشورہ سُن کر حضرت عمر کو مخاطب کر کے فرمایا :۔

اجبّارٌ فی الجاھلیۃ وخوّارٌ فی الاسلام انّہ قد انقطع الوحی وتمّ الدّین	یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے مسلمان ہو کر ذلیل و خوار بن گئے۔ وحی کا سلسلہ قطع ہو گیا دین کمال

ؑ سمیرا مکہ کے راستہ میں ایک منزل ؑ ابرق بنی ذبیان کا وطن

ؑ ذوالقصہ مدینہ سے ایک منزل بجانب نجد ؑ دبّا ایک قدیم مشہور شہر عمّن کا قریب رہذہ

اینقص وانا حیؑ۔ واللہ لاجاھدنھم ولومنعونی عقالا

کو پہنچ چکا کیا میری زندگی میں اس کی قطع و برید کیجائیگی واللہ اگر و فرض زکوٰۃ میں سے ایک رسی کا ٹکڑا دینے سے بھی لوگ انکار کرینگے تو میں جہاد کا حکم دونگا

فاروقِ اعظم کا مقولہ ہی کہ اس کلام کو سن کر مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اللہ نے ابو بکر کا سینہ جہاد کے واسطے کشادہ کر دیا ہی۔ صحابہ کرام کے مشورہ کے بعد حضرت صدیق نے جواب مذکور الصّدر سُنا کر ایلچیوں کو ناکام واپس کر دیا۔ اِسی عرصہ میں جیش اُسامہ مدینہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ قاصد واپس گئے تو اُنھوں نے مسلمانوں کی بے سرو سامانی اور قلت بیان کی۔ اِدھر قاصدوں کو رخصت کرکے حضرت ابو بکر نے مدینہ کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ شہر کے ناکوں پر حضرت علی، حضرت زبیر۔ حضرت طلحہ، حضرت عبداللہ بن مسعود کو مقرر کیا۔ عام اہلِ مدینہ کو جمع کرکے حکم سُنایا کہ عرب میں ارتداد پھیلا ہوا ہی۔ قاصد تمھاری حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہیں دشمن کے بعض حصّے تم سے صرف ایک منزل کے فاصلہ پر ہیں معلوم نہیں تم پر کس وقت حملہ کردیں اُن کو اُمید تھی کہ ہم اُن کی درخواست منظور کرینگے مگر وہ رد کردی گئی لہٰذا تم کو ہر وقت مسلّح مسجدِ نبوی میں حاضر رہنا چاہیئے۔ اِس حکم کے مطابق تمام اہلِ مدینہ مُستعد رہتے تھے۔ قاصدوں کی واپسی کے تیسرے دن دشمنوں نے مدینہ پر حملہ کیا۔ ایک حصّہ فوج اُن کی مدد کے واسطے ذی حسیٰ[1] میں تیار رہتا تھا۔ جب دشمن کی جمعیت مدینہ کے ناکوں پر پہونچی تو محافظ ہوشیار تھے اُنھوں نے حملہ روک کر امیر المومنین کے پاس اطلاع بھیجی۔ حضرت ابو بکر نے کہلا بھیجا کہ تم اپنی اپنی جگہ قایم رہو، میں فوراً موقع پر آتا ہوں۔ چنانچہ اہل مدینہ کی جمعیت لے کر موقع پر

---

[1] ذی حسی ایک مقام ہی

پہونچے اور دشمنوں پر حملہ کیا مسلمانوں کے حملے سے کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے ذی حسی تک تعاقب کیا۔ وہاں کی فوج نے پہلے سے بہت سی مشکوں میں ہوا بھر رکھی تھی جیسے ہی مسلمان شتر سوار پہونچے وہ مشکیں سامنے لڑکا دیں اونٹ قدرتاً اُس سے بہت ڈرتا ہی مسلمانوں کے اونٹ ڈر کر پیچھے کو بھاگے اور مدینہ پہنچ کر دم لیا۔ مرتدوں نے خیال کیا کہ مسلمان بھاگ گئے اس سے اُن کی جراءت بڑھی ذی حسی کی پشت پر جو فوج بمقام ذوالقصہ تھی اُس کو بھی آگے بُلالیا۔ اور دشمن کی کل جمعیت ذی حسی میں مدینہ کے قریب جمع ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُسی روز دوسرے حملے کا انتظام کیا اور شباشب کوچ کر کے صبح ہوتے ہوتے مرتدوں کے لشکر پر چھاپہ جا مارا۔ طلوعِ آفتاب کے وقت دشمن کو ہزیمت ہوئی سردارِ لشکر حبال (جو طلیحہ مدعی نبوت کا قوتِ بازو تھا) مارا گیا حضرت ابوبکر نے ذوالقصہ تک تعاقب کیا وہاں حضرت نعمان بن مقرن کو معہ ایک حصہ فوج کے متعین کیا اور خود مدینہ کو واپس چلے آئے۔ اس شکست سے کفار کا جوش زیادہ بڑھا اور تمام قبائل نے اپنے اپنے یہاں کے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر قتل کرنا شروع کیا۔ اعضا کاٹتے تھے۔ آگ میں زندہ جلاتے تھے۔ اوّل قبیلۂ ذبیان وعبس نے یہ سفاکی شروع کی پھر اُن کے قرب و جوار کے تمام قبیلوں میں پھیل گئی۔ جب ان مظالم کی اطلاع حضرت ابوبکر کو ہوئی تو اُنھوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ مسلمانوں کے مصائب کا بدلہ لیا جائیگا۔ ذوالقصہ کی فتح کا مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ تمام قبائل میں جس قدر مسلمان تھے وہ اسلام پر زیادہ شدت سے قایم ہو گئے اور اُن میں تازہ جوش و عزم پیدا ہو گیا۔ بعض قبائل نے زکوٰۃ کا روپیہ بھیج دیا۔ غرض مختلف تدابیر سے حضرت صدیق اکبر مدینہ کی حفاظت فرماتے رہے

یہاں تک کہ حضرت اُسامہ کا لشکر مدینہ واپس آگیا۔ اُن کو حفاظتِ مدینہ پر مامور کرکے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اب تم آرام لو ہم دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں۔ بقیہ فوج فراہم ہوئی اور اُس کے امیر خود خلیفۂ رسول اللہ تھے۔ مسلمانوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ آپ خود مہم پر نہ جائیں اگر آپ کو صدمہ پہونچ گیا تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا اور کسی کو سردار مقرر کرکے بھیجئے وہ کام آئے تو دوسرا مقرر ہو مگر یہ صلاح پذیرا نہ ہوئی۔ اور حضرت ابوبکرؓ لشکر کو ہمراہ لے کر ذوالقصہ ہوتے ہوئے پرگنہ زبذہ[1] کے ابرق نامی مقام پر پہونچے وہاں دشمن سے مقابلہ ہوا اہلِ ایمان فتح یاب ہوئے۔ فرمانِ خلافت کے مطابق ابرق مجاہدین کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا گیا۔ لشکر اُسامہ آرام لے چکا تھا زکوٰۃ کا روپیہ زیادہ مقدار میں وصول ہونے لگا تھا اس لیئے حضرت ابوبکرؓ نے تہیہ فرمایا کہ مرتدوں کا استیصال پوری طرح کر دیا جائے۔ بعد فتح نواح ابرق میں قیام کرکے تمام مرتد قبائل کے مقابلہ کا انتظام فرمایا۔ گیارہ فوجیں مامور کی گئیں کہ مختلف حصصِ مُلک میں جا کر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کریں۔ اُس زمانہ میں ملازمت کا سلسلہ نہ تھا مسلمانوں کے تمام کام محض رضائے الٰہی کے واسطے ہوتے تھے فوج کا انتظام بھی رضا کار تھا۔ اجتماع لشکر کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص امیر لشکر مقرر ہو کر مہم پر مامور ہوتا تھا اور اُس کی ہمراہی کے واسطے قبائل نامزد ہو کر احکام جاری کیئے جاتے تھے۔ زمانہ رسالت میں آپ اپنے دستِ مبارک سے اور دَورِ خلافت میں خلفا اپنے ہاتھ سے نشان بنا کر سردار کو دیتے۔ اُس نشان کو لے کر امیر پڑاؤ پر خیمہ زن ہوتا اور میعادِ معین کے اندر سپاہ نشان کے نیچے آکر فراہم ہو جاتی۔ یا یہ ہوتا کہ امیر نشان لے کر نامزد شدہ قبائل کے قریب سے

---

[1] زبذہ ایک گاؤں مدینہ سے ۳۰ میل

روانہ ہوتا اور ہر قبیلہ کے فوجی جوان اُس کے ساتھ ہوتے جاتے۔ ہتھیار سواری وغیرہ کی مدد خزانہ سے کی جاتی نیز سپاہی اپنے ہتھیار خود ہمراہ لاتے اُس زمانہ میں عرب کا بچہ بچہ ہتھیاروں سے آراستہ تھا۔ اِسی طرح بمقام ذوالقصہ حضرت ابوبکرؓ نے گیارہ نشان تیار کرکے اُمرا لشکر کو دیئے اور اُن کی مدد کے واسطے قبائل مقرر فرمائے۔ ہر سردار کو اس کی مہم اور طرزِ عمل کی بابت پوری ہدایتیں دی گئیں تھیں یعنی وہ کس دشمن کا مقابلہ کرے اُس سے فارغ ہو کر کس طرف بڑھے کون سا لشکر کس کی مدد کرے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ حضرت خالدؓ طلیحہ کے مقابلہ پر مامور ہوئے۔ حضرت عکرمہؓ مُسیلمہ کے مُقابل۔ اسود عنسی کی مہم پر مہاجرین آل زبیر۔ وغیرہ وغیرہ۔ خاص ہدایات کے علاوہ بعض عام احکام تھے جو کل اُمرا کے واسطے دستور العمل تھے۔ ہر فوج کے ساتھ ایک فرمانِ خلافت تھا جس میں مخالفین سے خطاب کیا گیا تھا اور اُن کو مخالفت سے باز آنے اور مسائلِ اسلام کی جانب رجوع کرنے کی ہدایت و ترغیب تھی۔ اُس میں یہ بھی درج تھا کہ فلاں سردار مہاجرین و انصار و تابعین کا لشکر دے کر تمھارے مقابلہ پر آتا ہے اُس کو یہ حکم ہے کہ اوّل کسی سے قتال و جنگ نہ کرے بلکہ دعوتِ اسلام دے جو قبول کرے اُس کو امن بخشی جائے جو عناد پر قایم رہیں اُن سے لڑے اور پوری شدت کے ساتھ لڑے۔ اس فرمان کی بابتہ حکم تھا کہ لشکر کے آگے آگے قاصد لیکر جائیں اور لشکر پہونچنے سے پہلے مجمع عام میں پڑھ کر سنائیں۔ ذریعۂ اجتماع اذان ہو۔ جو لوگ اذان سُن کر فراہم ہو جائیں اُن کو احکامِ خلافت سنائے جائیں جو جمع نہ ہوں اُن سے مقابلہ کیا جائے۔ علاوہ فرمان بالا کے ایک اور مراسلہ ہر لشکر کے ساتھ تھا جس میں سردار لشکر کے واسطے احکام تھے۔ تمام مہمات کا بیان باعثِ طول ہوگا اس لیئے

صرف دو مُہموں کا ذکر کیا جاتا ہے ایک میں نمونۂ آشتی ہے دوسرے میں نمونۂ رزم۔

مُہم قبیلۂ طیؔ[1] (نمونۂ آشتی) حضرت خالد بن ولید کا تقرر طُلیحہ مدّعی نبوّت کے مُقابلہ پر ہوا تھا۔ مدّعی مذکور کے ساتھ عوام قبیلہ طے کا بڑا مجمع تھا اس لیئے حضرت ابوبکر نے حضرت عدی بن حاتم کو اوّل روانہ کیا کہ اپنے قبیلہ کو فہمائش کرکے تباہی سے بچائیں۔ آگے آگے حضرت عدی اور اُن کے پیچھے لشکر اسلام روانہ ہوا۔ حضرت عدی نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر اپنے قبیلہ کو جمع کیا اور فہمایش کی لیکن بے سود۔ دوبارہ پھر سمجھایا اس مرتبہ نصیحت کارگر ہوئی۔ وعدۂ اطاعت کے ساتھ اُنھوں نے یہ درخواست کی کہ ہم کو اتنی مہلت دی جائے کہ اپنے اہل وعیال کو طُلیحہ کے لشکر سے نکال لائیں ورنہ ہماری اطاعت کی اُن پر مُصیبت پڑ یگی ہماری واپسی تک خالد کا لشکر روک دیا جائے۔ حضرت عدی نے یہ پیام حضرت خالد کو پہونچایا۔ تین روز کی مہلت منظور ہوئی۔ اِس عرصہ میں قبیلہ طے کے آدمی اپنے اہل وعیال کو لشکر طُلیحہ سے ترکیب کے ساتھ لے آئے اور تجدید اسلام کے بعد حضرت خالد کے پاس حاضر ہوگئے۔ اِس طرح یہ مُہم حُسن وخوبی کے ساتھ بغیر خوں ریزی کے طے ہوگئی۔ مہم طے کے ختم ہونے کے بعد حضرت خالد نے قبیلہ جدیلہ کی طرف رُخ کیا۔ حضرت عدی نے کہا کہ قبیلۂ طے مثل ایک پرندہ کے ہے جس کا ایک بازو جدیلہ ہے، مجھ کو اجازت دو کہ اُن کو جاکر فہمایش کروں۔ اجازت ملی اور حضرت عدی نے کوششِ بلیغ کے ساتھ سمجھایا۔ نتیجہ حسب مراد نکلا۔ جب حضرت خالد اس مُہم سے فارغ ہوکر آگے بڑھے تو قبیلۂ طے کے ایک ہزار سوار اُن کے ہم رکاب نُصرتِ اسلام کے لیئے کمربستہ تھے۔ مؤرخین نے عدی کی مساعی کی تحسین ان الفاظ میں کی ہے:۔

[1] مشہور حاتم طائی کا قبیلہ

وکان خیر مولود ولد فی ارض طی واعظم برکۃ علیہم | وہ قبیلۂ طے کے بہترین فرزند تھے جن کی وجہ سے برکت عظیم نازل ہوئی

طلیحہ نے حضرت خالد کے مقابلہ پر شکست کھائی اور شام کو بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر دوبارہ اسلام لایا۔ ایک مرتبہ خلافت صدیقی کے زمانہ میں طلیحہ ادائے عمرہ کو مکہ جاتا تھا جب مدینہ کے کنارے پر پہونچا تو کسی نے جھپٹ کر حضرت ابوبکر کو اطلاع کی کہ طلیحہ جا رہا ہے۔ سن کر فرمایا اب وہ داخلِ اسلام ہو چکا اس سے کچھ تعرض نہیں کیا جا سکتا جانے دو۔ خلافت فاروقی میں طلیحہ نے مدینہ آ کر بیعت کی۔

مسیلمۂ کذاب (معرکۂ زم)

اگرچہ مرتدین کے تمام معرکے نہایت سخت اور حوصلہ فرسا تھے مگر مسیلمہ کذاب کا معرکہ شدت و قوت میں سب سے بڑھ کر تھا۔ مسیلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا اور وطن یمامہ واقع ملک نجد۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ مجھ کو رسول اللہ نے شریک رسالت کر لیا ہے۔ اس دعوے کی تائید کے لیئے نہار نامی ایک شخص اس کے ہاتھ آ گیا۔ نہار نے مدینہ میں شرف حضوری سے مشرف ہو کر قرآن و مسائلِ دین کی تعلیم حاصل کی تھی جب مسائل ضروری حاصل کر چکا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور فرمایا کہ یمن جا کر تائید اسلام اور مسیلمہ کی تردید کی خدمت انجام دے۔ بدبخت یمن پہنچ کر مسیلمہ سے مل گیا۔ اور بالاعلان شہادت دی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے میں نے خود سنا ہے کہ مسیلمہ شریک نبوت ہے۔ اس سے ہزاروں آدمی گمراہ ہو گئے۔ اذان میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ جب مسیلمہ تکبیر کے وقت شریک نماز ہوتا تو مؤذن سے کہتا اشھد ان محمدًا رسول اللہ خوب زور سے کہو۔ مسجع مہمل عبارتیں لوگوں کو سناتا اور کہتا یہ وحی ہے۔ شراب و زنا کی حلت کا اعلان کر دیا تھا ایسے اسباب سے مسیلمہ کا

زور روز بروز ترقی کرتا رہا جب مدعیہ نبوت سجاح سے مُسیلمہ نے نکاح کر لیا تو اُس کے لشکر سے مُسیلمہ کو مزید شوکت حاصل ہوئی بارگاہ خلافت سے دو لشکر مُسیلمہ کے مقابلہ پر نامزد ہوئے تھے، ایک حضرت عکرمہ کی زیر امارت۔ دوسرا حضرت شرحبیل بن حسنہ کی ماتحتی میں۔ اِن دونو لشکروں نے یکے بعد دیگرے شکستیں کھائیں۔ جب حضرت ابو بکرؓ کو ان ہزیمتوں کی اطلاع پہونچی تو دونو شکست خوردہ امیروں کو دوسری مہموں پر مقرر کیا اور مُسیلمہ کے مقابلہ کا حضرت خالد کو (جو مہم طلیحہ سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو چکے تھے) حکم دیا۔ اُن کی کمک کے واسطے تازہ دم جمعیت روانہ کی اِس جمعیت میں انصار کے سردار حضرت ثابت بن قیس اور مہاجرین کے امیر حضرت زید بن خطاب (فاروق اعظم کے بھائی بھی) تھے۔ جب حضرت خالد یمامہ پہونچے ہیں تو مُسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تک ترقی کر چکی تھی۔ مُسیلمہ نے حضرت خالد کی آمد کی خبر سُنی تو آگے بڑھ کر عقربا نامی مقام پر پڑاؤ کیا۔ اِسی میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا۔ جب دونو جانب صفوفِ جنگ آراستہ ہولیں تو سب سے اوّل نہار میدان میں آکر مبارزہ طلب ہوا۔ حضرت زید بن خطاب اُس کے مقابلہ پر گئے۔ بعد مقابلہ نہار مارا گیا۔ اس کے بعد عام لڑائی[1] شروع ہوئی رن اس زور کا پڑا کہ مُسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور جمعیت پریشان ہو گئی۔ مُسیلمہ کے لشکر نے تعاقب کیا اور دباتا ہوا خود حضرت خالد کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ حضرت خالد کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ اُم تمیم حضرت خالد کی بی بی خیمہ کے اندر تھیں۔ کفّار نے اُن کو قتل کرنا چاہا مجاعہ[2] نے روکا اور کہا:۔

[1] مورّخ طبری نے اس لڑائی کی بابت لکھا ہے لم یلق المسلمون حربا مثلہا قط مسلمانوں کو اِس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا

[2] مجاعہ کفار کا سردار حضرت خالد کی قید میں تھا اُس کی آسایش کی نگرانی ام تمیم کے سپرد تھی حسنِ سلوک کا اثر تھا جو مجاعہ نے کہا

لعمت الحرۃ ھذہ — یہ بہت اچھی آزاد بی بی ہیں

عورتوں کو کیا مارتے ہو مردوں کا مقابلہ کرو۔ یہ سُن کر مُسیلمہ کے سپاہی خیمہ کی طنابیں کاٹ کر ہٹ گئے اِس نازک اور حوصلہ فرسا موقع پر مُسلمان اُمرائے لشکر نے اپنی شکست خوردہ فوج کی جمعیت قایم کرنے کی کوشش جس قوّت ایمانی کے ساتھ کی وہ قیامت تک صفحاتِ تاریخ پر یادگار رہیگی۔ اُنھوں نے یکے بعد دیگرے جانیں مردانہ وار اسلام پر قربان کرکے فوج کو غیرت دلائی اور آخرکار کامیاب ہوئے۔ حضرت قیس بن ثابت نے مفرورین کو مخاطب کرکے کہا:۔

بئسما عوّدتم انفسکم یا معشر المسلمین	اے گروہ اہلِ اسلام تم نے اپنے نفوس کو بُری عادت
اللھم انی ابرأ الیک مما یعبد ھؤلاء	سکھائی۔ اے اللہ میں تیرے سامنے اُن کے
(یعنی اھل الیمامۃ) وابرأ الیک	(یعنی اہل یمامہ کے) معبود سے اور اُن کی
مما یصنع ھؤلاء (یعنی المسلمین)	(یعنی مسلمانوں کی) اُس حرکت سے جو اس وقت کر رہے
ھکذا عنی حتی ادیکم الجلاء	ہیں اظہار نفرت کرتا ہوں۔ مسلمانو دیکھو حملہ یوں کیا کرتے ہیں

یہ کہہ کر حملہ کیا ایک دشمن کی ضرب سے اُن کا پانو کٹ گیا وہی کٹا ہوا پانو لے کر اس زور سے مارا کہ اپنے حریف کا کام تمام کردیا خود بھی شہید ہو گئے۔ مُسلمان ہٹتے ہٹتے جب اپنے خیموں سے بھی پیچھے ہٹ گئے تو حضرت زید بن خطاب نے یہ کہہ کر اُن کو روکا۔

لا تحوز بعد الرحال فواللہ لا اتکلم	خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤگے واللہ آج میں اُس وقت
الیوم حتی اھزمھم او القی اللہ	تک کلام نہیں کرونگا کہ یا دشمن کو شکست دوں اور یا خدا
فاکلمہ بحجتی غضوا ابصارکم وعضوا	کے سامنے پہنچکر اپنی معذرت پیش کروں۔ اے لوگو مصائب
علی اضراسکم واضربوا فی عدوکم	برداشت کرو ڈھالیں تھام لو اور دشمن پر جا پڑو اور

وامضوا قدماً۔ یا معشر المسلمین انتم	قدم بڑھاؤ۔ اور اے گروہ اہل اسلام کے
حزب اللہ وھم احزاب الشیطان و	تم خدا کی جمعیت ہو تمھارے دشمن شیطانی لشکر
العزۃ للہ ولرسولہ ولاحزابہ۔	غلبہ خدا اُس کے رسول اور اس کے انصار کے
اروني کما اریکم فاصنعوا کما اصنع	واسطے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو جو میں کرتا ہوں وہی تم بھی کرو

یہ کہہ کر شمشیر بکف کفار پر حملہ کیا اور شہادت سے سُرخ رو ہوئے۔ حضرت ابوحذیفہ نے للکار کر کہا یا اھل القرآن زینوا القرآن بالفعال (اے قرآن والو قرآن کی زینت عمل سے بڑھاؤ) یہ کہہ کر دشمن پر حملہ کیا اور شہید ہوئے۔ حضرت زید بن خطاب کے بعد حضرت براء بن مالک (حضرت انس خادم رسول اللہؐ کے بھائی) آگے بڑھے اُن کی عادت عجیب تھی جب میدانِ جنگ کا عزم کرتے بدن پر لرزہ تاری ہوتا آدمی اُن کو دبا لیتے جب یہ حالت گذر لیتی تو میدانِ جنگ میں آکر شیر کی طرح بپھرتے۔ اُس روز بھی یہی ہوا۔ مُسلمانوں کی شکست دیکھ کر اُن کو جوش آیا اور لرزہ سے فارغ ہو کر میدان میں پہنچ کر للکارے۔

این یا معشر المسلمین انا البراءُ	اے گروہِ مسلمین کدھر کا ارادہ کیا میں براء
بنُ مالکٍ ھلمّ الیّ	بن مالک ہوں میری طرف آؤ

ان ترغیبوں اور شہادتوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے میدان کی طرف پلٹ کر تازہ جوش کے ساتھ پھر حملہ کیا۔ اس حملے سے دشمن کے قدم ڈگمگا گئے اور اُس مقام تک ہٹ گیا جہاں مُسیلمہ کا مشہور سردار محکم بن الطفیل اپنی قوم کو لیئے کھڑا تھا۔ اُس نے للکار کر اپنے لشکر کو غیرت دلائی اور مسلمانوں پر حملہ کیا عین اسی حالت میں حضرت

عبد الرحمٰن بن ابی بکر کی شصت سے تیرِ قضا چھوٹا جس نے محکم کی گردن میں لگ کر کام تمام کر دیا۔ اس سے مسلمانوں کی ہمت اور زیادہ بڑھی اور زور سے حلہ کیا اور اعدا کو حدیقہ تک ہٹاتے گئے۔ یہ مقام چار دیواری سے محصور تھا اور اس کے وسط میں مسلیمہ قلب لشکر میں قدم جمائے کھڑا تھا۔ دشمنوں نے حدیقہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا حضرت برا، بن مالک نے کہا کہ مجھ کو اُٹھا کر اندر پھینک دو۔ مگر کسی نے اس کی جراءت نہ کی۔ آخر اُنھوں نے قسم دلائی مجبور ہو کر لوگوں نے اُن کو اُٹھا کر دیوار پر پہونچا دیا۔ وہ نیچے کودے اور جاں بازی کر کے دروازہ کھول دیا دروازہ کھُل جانے پر مسلمانوں نے حملہ پر حملہ کیا مگر مُسیلمہ نے جگہ سے جنبش نہیں کی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد نے اپنے لشکر کو دوسری ترتیب سے قایم کیا۔ اور حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر اپنے اپنے نشان کے نیچے لڑے تاکہ ہم دیکھیں کہ ہماری کمزوری کس گروہ کی وجہ سے ہے۔ اس حکم پر ہر قبیلہ سمٹ کر اپنے نشان کے نیچے آگیا اور نہایت بے جگری کے ساتھ دوبارہ حملے شروع ہوئے اب لڑائی اس قدر شدید ہوئی کہ پہلے معرکے گرد ہو گئے سب سے زیادہ نقصان گروہ مہاجرین و انصار کو پہونچا۔ ان حملوں پر بھی مسیلمہ ثابت قدم رہا وہ وسط لشکر میں مرکز کا رزار بنا ہوا تھا۔ حضرت خالد نے اِس حالت کو جانچا اور فیصلہ کیا کہ جب تک مسیلمہ کا خاتمہ نہ ہو گا لڑائی ختم نہ ہو گی۔ یہ خیال کر کے خود صف سے نکلے اور حریف مُقابل طلب کیا۔ اُس شمشیر برہنہ کے سامنے جو آیا اُڑ گیا۔ آخر صفوں کو چیرتے اور مُقابلہ کرنے والوں کو کاٹتے ہوئے مُسیلمہ تک جا پہونچے اور اِس سے گفتگو کر کے حملہ کیا۔ حضرت خالد کے حلہ سے مُسیلمہ کے قدم ڈگمگائے اور اُس کے لشکر میں فی الجملہ تزلزل پیدا ہوا یہ دیکھ کر سپہ سالار اسلام نے للکار کر کہا مسلمانو ثابت قدم

رہو ایک مردانہ ہلّہ اور دشمن کو مار لیا۔ اس للکار پر جو حملہ حق پرستوں نے کیا وہ اتنا
زبردست تھا کہ مُسیلمہ کا لشکر تاب نہ لا سکا قدم اُکھڑ گئے اور میدان سے بھاگنے لگا۔
جب اہلِ ارتداد کو ہزیمت ہوئی تو لوگوں نے مُسیلمہ سے کہا کہ آخر آسمانی مدد کے
وعدوں کا کیا حشر ہوا اُس نے جواب دیا کہ اپنا ننگ و ناموس بچانا ہی تو بچا لو۔ اِسی
حالت میں وحشی (قاتل حضرت حمزہ) نے اپنا حربہ پھینک کر مُسیلمہ کے مارا جس کے
صدمے سے وہ گِرا۔ گرا تو ایک انصاری نوجوان نے سر کاٹ لیا۔ دشمن کی فوج میں
شور پڑ گیا کہ مسیلمہ کو ایک حبشی[۲] نے مار ڈالا۔ یہ سُن کر اہلِ باطل کے رہے سہے حواس
بھی جاتے رہے اور بے تحاشا بھاگے۔ لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہوا۔ مؤرّخ طبری
نے لکھا ہی کہ حدیقہ کے قرب و جوار میں دس ہزار مرتد مارے گئے اِس لیئے اُس کا
نام حُدیقۃ الموت مشہور ہی۔ مُسیلمہ کے قتل کی خبر سُن کر حضرت خالد اُس مقام پر آئے
جہاں وہ مارا گیا تھا اور لاشس تلاش کی مجاعہ پا بجولاں ساتھ تھا اُس نے پہچان کر
بتائی۔ کوتہ قد زرد رو لانبی ناک کا آدمی تھا۔ اِس معرکہ میں مدینہ کے مہاجرین و انصار
تین سو اور بیرون مدینہ کے تین سو شہید ہوئے باقی مُسلمان ان کے علاوہ۔ بعد فتح
حضرت خالد نے مدینہ کو فرد فتح بھیجا قاصد کے ساتھ بنی حنیفہ کا وفد بھی تھا۔ جب یہ
وفد مدینہ پہونچا تو حضرت ابوبکر نے اُن سے کہا افسوس تمھارے حال پر تم کس وبال میں
مبتلا ہو گئے۔ شرمندگی سے جواب دیا آپ نے جو کچھ سُنا سب سچ ہی۔ پوچھا آخر
اُس کی تعلیم کیا تھی۔ کہا اُس کی وحی کا نمونہ یہ ہی۔

---

[۱] مسیلمہ کے باطل پرست ہونے کی یہ بیّن دلیل ہی کہ وہ ہمیشہ ننگ و ناموس کی غیرت دلا کر فوج کو لڑاتا تھا۔
اگر حق پرست ہوتا تو حق کا واسطہ دیتا [۲] وحشی کا وطن حبش تھا

یا ضفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین	اے مینڈک تو پاک ہی پاک نہ پانی پینے والوں کو
ولا الماء تکدرین۔ لنا نصف الارض	روکتا ہے نہ پانی کو گدلا کرتا ہے۔ آدھا ملک ہمارا اور
ولقریش نصف ولکن قریشاً قوم یعتدون	آدھا قریش کا، لیکن قریش تو ظالم قوم ہیں

حضرت ابوبکر نے یہ کلام بلاغت نظام سن کر کہا:۔

سبحان اللہ ویحکم أهذا الکلام	سبحان اللہ تمہارے حال پر افسوس کیا یہی کلام الٰہی
ما خرج من الٍ ولا برٍّ فاین یذھب	ہے۔ یہ کلام تو شان ربانی نہیں رکھتا۔ تم کو کہاں
بکم	کھینچ لے گیا

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے اسی طرح ہر موقع پر جاں بازی کے جوہر دکھائے نتیجہ یہ ہوا کہ باستثناء بعض خفیف مہموں کے اہلِ ردّہ کے تمام معرکے ۱۱ھ میں ختم ہوگئے اور ۹ مہینہ کے قلیل عرصہ میں وہ سیلاب فرو ہوگیا جو نواح مدینہ سے لے کر بحرین و عمان تک پھیلا ہوا تھا۔ فجزی اللہ ابابکر وجنودہ عن المسلمین خیر الجزاء۔

مہم عراق طوفان ارتداد کے فرو ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر نے فوراً اپنی توجہ اُن دو زبردست دشمنوں کی جانب مائل کی جو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے اسلام کی تباہی کی فکر میں تھے یعنی روم و فارس۔ خلیفۂ رسول اللہ کو کس قدر اہتمام ان مہموں کا تھا واقعۂ ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔ اُس زمانہ میں جب کہ حضرت صدیق مذکورہ بالا مہموں کے انتظام میں مصروف تھے۔ ایک صحابی نے اپنے قبیلہ کا کوئی معاملہ پیش کرنا چاہا غصہ ہو کر جواب دیا کہ میں تو اُن دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی جانب مائل کرتے ہو ۶ھ کے آغاز میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے مراسلے سلاطین

عالم کے نام جاری فرمائے تو ایک مراسلہ خسرو پرویز پادشاہِ ایران کے پاس بھی روانہ
فرمایا۔ قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ تھے نامہ شریف حسب ذیل تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی کسریٰ
عظیم فارس سلام علی من اتبع
الھدیٰ وآمن باللہ ورسولہ
واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ
لا شریک لہٗ وان محمداً عبدہٗ و
رسولہٗ وادعوک بدعاء اللہ فانی
رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر
من کان حیاً ویحق القول علی
الکافرین فاسلم تسلم فان ابیت فان
اثم المجوس علیک

شروع خدا کے نام سے بڑا مہربان بخشنے والا ہے
محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بادشاہ فارس کے
نام اُس کو سلام جو سیدھی راہ پر چلے اور خدا اور
اُس کے رسول پر ایمان لائے اور میں اس امر کی
گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود سوا خدا کے نہیں ہے
وہ یگانہ ہے کوئی اُس کا شریک نہیں اور محمدؐ اُس کا عبد
رسول ہے اور میں تجھ کو خدا کا فرمان پہونچاتا ہوں اسلئے
کہ میں تمام انسانوں کے پاس اس کا ایلچی ہو کر آیا ہوں۔
میری رسالت کا مقصود یہ ہے کہ جن کے دل زندہ ہیں اُن کو خدا
سے ڈراؤں اور جو انکار پر قائم رہیں اُن پر حجت الٰہی تمام ہو
تو اسلام لے آ سلامت رہیگا اگر انکار کریگا مجوس کا گناہ تیری گردن
پر رہیگا

خسرو نے فرمانِ مبارک پڑھ کر پارہ پارہ کر دیا اور باذان صوبہ دار یمن کو لکھا کہ دو تیز رو
آدمی بھیجو تاکہ حجاز میں جو شخص ہے اُس کو پکڑ کر یہاں لے آئیں۔ باذان نے اپنے قہرمان
بابویہ کو (جو اُس کا منشی اور فارسی خط کتابت میں ماہر تھا) اور خرخرہ نامی ایرانی کو مدینہ
بھیجا۔ اور ایک تحریر آپ کے نام اس مضمون کی بھیجی کہ ان دو آدمیوں کے ساتھ خسرو کے
پاس چلے جاؤ۔ قاصد براہ طائف مدینہ پہونچے۔ عرب میں اس سفارت کی بڑی شہرت

ہوئی اور قریش اس خیال سے بہت خوش ہوئے کہ اب شہنشاہ ایران کی بدولت مسلمانوں
کی مصیبت سے نجات مل جائیگی۔ خدمت مبارک میں حاضر ہو کر بابویہ نے سلسلۂ کلام
یوں شروع کیا۔ شاہنشاہ ملک الملوک کسریٰ کا شاہِ یمن کو یہ حکم ہی کہ تم کو اس کے
پاس بھیجدے۔ میں بادشاہِ یمن کا فرستادہ ہوں اگر تم میرے ساتھ چلوگے تو شاہِ یمن
تمھاری سفارش شاہنشاہ کے دربار میں کریگا جس سے تم کو نفع پہونچیگا، اگر چلنے
سے انکار کروگے تو تم شاہِ یمن کو جانتے ہو وہ تم کو اور تمھارے ملک کو برباد کردیگا
اِن قاصدوں کی داڑھی منڈی ہوئی تھی مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ حضرت سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے چہرے کی طرف بہ نگاہ نفرت دیکھا اور فرمایا افسوس
تم پر تم نے یہ صورت کس کے حکم سے بنائی ہی۔ جواب دیا کہ اپنے پروردگار کسریٰ
کے حکم سے۔ آپ نے فرمایا مگر میرے پروردگار کا مجھ کو یہ حکم ہی کہ داڑھی بڑھاؤں
مونچھیں تراشوں۔ اچھا اب ٹھہرو کل میرے پاس آنا۔ دوسرے روز طلب کر کے
فرمایا کہ تمھارے کسریٰ کو اُس کے بیٹے شیرویہ نے فلاں شب قتل کردیا، جاؤ اور
اپنے آقا کو خبر دو اور کہدو کہ میرا دین اور میری حکومت عنقریب ملک کسریٰ میں
پہونچتی ہی اور دنیا کے کناروں پر جا کر ٹھہریگی۔ یہ بھی کہدینا کہ اگر تم اسلام لے
آؤگے تو تمھارا ملک تمھارا تخت چھوڑ دیا جائیگا۔ اور اپنی قوم پر حاکم رہوگے۔ یہ
یہ فرما کر خرخرہ کو ایک طلائی پٹی (جو کسی بادشاہ نے بطور تحفہ آپ کی خدمت میں
بھیجی تھی) عطا فرمائی اور رخصت کردیا۔ باذان نے جب کلامِ مبارک سنا تو کہا خدا کی
قسم یہ بادشاہوں کا سا کلام نہیں ہی اِس کا قائل نبی معلوم ہوتا ہی۔ چند روز کے
بعد خسرو کے قتل اور شیرویہ کے تخت نشینی کی خبر باضابطہ یمن میں آگئی۔ شیرویہ نے

یہ بھی لکھا کہ نبی عربی سے کچھ مزاحمت نہ کی جائے۔ آخر عہدِ نبوت میں باذان نے اسلام قبول کر لیا۔ اور جو ایرانی یمن میں تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے خسرو پرویز کے قتل کے بعد ایران میں خانہ جنگی و بدنظمی کا دور دورہ رہا۔ چند ہی سال کے عرصے میں بارہ تیرہ بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ جن میں بعض عورتیں بھی تھیں۔ اِس تغیّر و تبدّل سے بدامنی و فساد کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔ خلافت صدّیقی میں ایران کی طرف سے حاکمِ عراق ہرمز تھا جس کو عربوں سے سخت عداوت تھی اور ہمیشہ برسرِ پرخاش رہتا۔ اہلِ عرب بھی اُس سے نفرت کرتے تھے یہاں تک کہ اُس کی سختی اور شرارت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ "اکفر من ھرمز واخبث من ھرمز"۔ اہلِ ایران کے مظالم سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی فکر حضرت ابوبکر کو ابتدا سے تھی لیکن کچھ روز ارتداد کے انسداد کی وجہ سے مہلت نہ ملی۔ اِسی عرصے میں حضرت مثنیٰ عراق سے مدینہ آئے اور حضرت صدّیق سے کہا کہ اگر آپ مجھ کو میرے قبیلے کی امارت پر مقرر کر دیں تو میں مسلمانوں کو اُن اہلِ ایران کے شر سے محفوظ رکھ سکتا ہوں جو میری سرحد پر ہیں۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور حضرت مثنیٰ نے عراق واپس جا کر ایرانیوں سے آویزش شروع کی۔ اِس طرح ایک حد تک اُدھر کی بے اعتدالیوں کا سدّباب ہو گیا۔ آخرکار اہلِ ارتداد کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا۔ یمامہ کی مہم سر ہوئی۔ مسیلمہ کام آیا۔ حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کو طلب کر کے دس ہزار فوج کے ساتھ اہلِ فارس کے مقابلے پر مقرر کیا۔ علاوہ اس لشکر کے آٹھ ہزار سپاہ حضرت مثنیٰ وغیرہ اُن چار سرداروں کے پاس اور تھی جو پہلے سے مامور تھے۔ اِس طرح جملہ اٹھارہ ہزار فوج مہم عراق پر متعین ہوئی۔ حضرت خالد کو

یہ ہدایت تھی کہ عراق کے نشیبی حصّے سے بڑھ کر اوّل اُبُلّہ پر حملہ کریں یہ مقام اُس موقع کے متصل تھا جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ اُس زمانے میں ہندوستان کا وہی بندر تھا اور اُس کے ذریعہ سے ہرمز سمندر میں ہندوؤں کے ساتھ لڑتا رہتا تھا۔ دوسرے لشکر کو حکم تھا کہ عراق کے بالائی حصّے سے حملہ آور ہو۔ اور دونوں لشکر فتح کرتے ہوئے حیرہ[1] پر آکر مل جائیں اور شہر مذکور پر متفقہ حملہ کریں۔ جو سردار لشکر وہاں اوّل پہنچے وہی تمام فوج کا امیر ہوگا۔ جب حیرہ فتح ہو جائے تو ایک حصۂ لشکر وہاں قیام کر کے عقب کی حفاظت کرے۔ دوسرا حصّہ خدا اور مسلمانوں کے دشمن اہلِ فارس کے دارالسّلطنت مدائن پر بڑھے۔ حضرت خالد کو یہ بھی ہدایت تھی کہ زراعت پیشہ رعایا کو پریشان نہ ہونے دیں۔ امن کے ساتھ بدستور اراضی پر قابض رکھیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچائیں مقابلہ صرف اُن لوگوں سے کیا جائے جو میدان میں آکر لڑیں۔ اس ہدایت کا تمام مہمات عراق میں پورا لحاظ رکھا گیا۔

حضرت خالد کی مہم محرم ۱۲ سنہ ہجری میں روانہ ہوئی۔ حسب ہدایت اوّل اُبُلّہ کی جانب رُخ کیا۔ یہ بندر ایران کے تمام بندرگاہوں سے زیادہ پُرشوکت اور مستحکم تھا۔ ہرمز سلطنت فارس کے اوّل درجہ کے اُمرا میں تھا۔ جس کی علامت یہ تھی کہ لاکھ رُپئے کی قیمت کا تاج پہنتا تھا۔ لڑائی سے پہلے حسب ذیل خط ہرمز کے نام بھیجا گیا:۔

اما بعد اسلم تسلم او اعتقد	بعد حمد و ثنا اسلام لے آؤ سلامت رہو۔ ورنہ اپنی
لنفسک وقومک الذمۃ و اقرر	طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے جزیہ کا اقرار کر کے

[1] حیرہ کوفے سے تین منزل تھا۔ خورنق عمارت مشہور اسی شہر میں تھی

بالجزیۃ والا فلا تلومن الا نفسک | مسلمانوں کی پناہ میں آجاؤ یہ بھی نہیں تو پھر تمھارا
فقد جئتک بقوم یحبون الموت کما | ہی قصور ہے۔ میں وہ آدمی لے کر آیا ہوں جنکو موت
تحبون الحیوٰۃ | ایسی پیاری ہے جیسے تم کو زندگی

ہرمز نے یہ خط پڑھ کر کسریٰ اور ولی عہد کو اطلاع کی اور فراہمی لشکر کا اہتمام شروع کیا۔ چند ہی روز میں نہایت سرعت کے ساتھ "اُڑان کھٹولا" (سرعان اصحابہ) سے لے کر حضرت خالد کے مُقابلے پر روانہ ہوا۔ اوّل کو اظم پہونچا۔ معلوم ہوا کہ مسلمان حفیر میں ہیں وہاں پہونچا تو سپہ سالار اسلام نے لشکر کاظمہ میں لا ڈالا۔ ہرمز کو کاظمہ آنا پڑا اِس تگ ودو میں ایرانی لشکر خوب خستہ ہو گیا۔ کاظمہ کے پڑاؤ پر آتش پرست فوج پانی کے کنارے مُقیم ہوئی۔ مجوسیوں نے بھاگنے کے خوف سے اپنے آپ کو زنجیروں سے جکڑ لیا تھا۔ حضرت خالد ہرمز کی آمد کی خبر سُن کر مقابلے پر آئے لشکر اسلام کے اُترنے کے واسطے وہ جگہ باقی تھی جہاں پانی نہ تھا۔ مُسلمانوں کو تامل ہوا تو حضرت خالد نے منادی کرادی کہ یہیں اُترو اور لڑ کر پانی پر قبضہ کرلو۔

فلعمری لیصیرن الماء لاصبر | میری جان کی قسم پانی اُس کا ہی جو دونو حریفوں میں زیادہ
الفریقین واکرم الجلدین | ثابت قدم اور جواں مرد ثابت ہو

یہ سُن کر مُسلمانوں نے وہیں پر سامان اُتار دیا۔ اُدھر سامان اُتارا تھا کہ ادہر حضرت خالد نے حملہ کا حکم دیا۔ میدانِ کارزار گرم ہونے پر ہرمز نے دھوکے سے چند آدمی کمین گاہ میں چھپا کر حضرت خالد کو اپنے مقابلے پر طلب کیا۔ یہ جیسے پہونچے ویسے ہی آدمیوں نے تکل کر وار کیا۔ حضرت خالد نے اُن کا وار خالی دیا اور دلیرانہ ہرمز پر حملہ کر کے کام تمام کر دیا۔ ہرمز کے قتل کے بعد معرکہ جنگ میں اور زیادہ شدّت ہوئی۔ بہت سے

کشت وخوں کے بعد ایران کے لشکر نے ہزیمت پائی۔ مسلمان مظفر ومنصور ہوئے۔
رات تک مفرورین کا تعاقب ہوتا رہا۔ زنجیریں میدان میں سے فراہم کی گئیں تو ایک
شتربار (تخمیناً ۶½ من) نکلیں۔ اسی وجہ سے اِس معرکہ کا نام ذات السلاسل ہے۔ مدینہ
مژدۂ فتح پہونچا تو حضرت ابوبکر نے ہرمز کا تاج حضرت خالد کو عطا فرما دیا۔ اسلام کا
مسئلہ ہے کہ خاص خاص معرکہائے جنگ میں جو مسلمان اپنے حریف کو قتل کرے اُس کے
بدن کا سامان وہی لے لے۔ مالِ غنیمت کے ساتھ ایک ہاتھی بھی مدینہ آیا اور خلیفہ
کے حکم سے شہر میں پھرایا گیا۔ بڑھیاں دیکھتیں اور حیرت سے کہتیں:۔

امن خلقِ اللہ ما نریٰ — کیا جو ہمارے آنکھوں کے سامنے ہے خدا کی مخلوق ہے

گشت کے بعد عراق کو واپس بھیج دیا گیا۔ حفیر[1] کی جنگ کے بعد مذار[2] کا معرکہ پیش آیا۔
یہ واقعہ پہلے سے زیادہ شدید تھا۔ کسریٰ کے حکم سے تازہ دم فوجیں مدائن سے
آکر اس مُہم میں شریک ہوئی تھیں فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اسی لڑائی میں خواجہ
حسن بصری کے والد حبیب گرفتار ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ یکے بعد دیگرے ولجہ[3]
الیس[4]۔ یوم المقر[5]۔ حیرہ[6]۔ عین التمر[7]۔ دومۃ الجندل[8]۔ انبار[9]۔ حصید[10]۔ مصیخ[11]۔ ثنی[12]۔ زمیل[13]
فراض[14] کے معرکے پیش رو سے زیادہ سخت تھے۔ عراق چونکہ سلطنت فارس کا مستقر
تھا اور مدائن دارالسلطنت اسی صوبہ میں (قریب بغداد) واقع۔ اِس لیئے اہلِ فارس
نے نہایت جاں بازی و دلیری سے مقابلے کیئے لیکن حضرت خالد سیف اللہ کی شمشیر
برّاں کے سامنے ہر جگہ سر جھکانا پڑا۔ سپہ سالار اسلام نے اس سُرعت وجلادت سے
حملے کیئے کہ دشمن کو دم لینے کی مُہلت نہ ملی۔ اور چند ہی روز میں میدان صاف ہوگیا۔
مؤرخ طبری نے حضرت خالد کی نسبت لکھا ہے:۔

وکان قلیل الصبر اذا رآه او سمع بہ یعنی جبتک موقع جنگ دیکھتے یا لڑائی کی خبر سنتے تو پھر صبر نہوتا

حیرت یہ ہی کہ با وجود اس قدر مہمات سر کرنے کے اِسی قلیل زمانے میں اُنھوں نے ملکی انتظامات بھی کیئے۔ عمال مقرر کیئے۔ وصول خراج کا بندوبست کیا۔ کاشتکاروں اور زمینداروں کو امن دے کر لگان کے معاہدے کیئے۔ ایرانیوں نے شروع میں ان فتوحات کو عرب کی معمولی لوٹ مار خیال کیا تھا لیکن جب مسلمانوں کا عزم اور انصاف اور رعایا کی خوبی دیکھی تو اپنے اپنے گھروں میں باطمینان واپس آگئے ہر پرگنہ اور علاقہ کے باشندوں نے اپنے قایم مقام بھیج کر جزیئے کے معاہدے کیئے اور معاہدے کے بعد پورے اطمینان کے ساتھ کاروبار میں مصروف ہو گئے۔

حضرت خالد کے دو فرمان یہاں نقل کیئے جاتے ہیں جن سے اُس منصفانہ طرز عمل کا پتہ لگتا ہی جو مسلمانوں نے عراق میں اختیار کیا تھا۔

نقل فرمان بنام صلوبا لسوادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من خالد بن الولید لابن صلوبا	خالد بن ولید کی جانب سے بنام صلوبا لسوادی
بالسوادی ومنزلہ بشاطی الفرات	ساکن کنارہ فرات۔ تو اللہ کی پناہ میں
انک آمن بامان اللہ علی حقن	ہے۔ قبول جزیئے کے بعد تیری جان
دمک باعطاء الجزیۃ وقد اعطیت	بخشی گئی۔ تو نے اپنی ذات، اپنی رعایا
عن نفسک وعن اھل خرجک وعن	اپنے جزیرے اور بانقیا د اور باروسما
جزیرتک ومن کان فی قریتک بانقیاد	کی جانب سے ایک ہزار درہم جزیہ
وباروسماء الف درھم فقبلتہا منک	دیا میں نے اُس کو قبول کیا۔ اور جو

ورضي من معي من المسلمين بها منك
ولك ذمة الله وذمة محمد
صلى الله عليه وسلم وذمة المسلمين
على ذلك۔ وشهد هشام بن الوليد

مسلمان میرے ساتھ ہیں اُنھوں نے اتفاق
کیا اُس کے عوض میں تو اللہ کی۔ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی پناہ
میں آگیا۔ ہشام بن ولید گواہ ہوا

اہل حیرہ کے نام معاہدہ ربیع الاول سنہ ۱۲ ہجری میں لکھا گیا:۔

بسم الله الرحمن الرحيم
هذا ما عاهد عليه خالد بن الوليد عديا
وعمروا ابني عدي وعمرو بن عبد المسيح
واياس بن قبيصة وحيري بن اكال
وهم نقباء اهل الحيرة ورضي بذلك
اهل الحيرة وامرهم به عاهدهم
على تسعين ومائة الف درهم
تقبل في كل سنة جزءً عن ايديهم
في الدنيا رهبانهم وقسيسهم الا
من كان منهم على غير ذي يد حبيسا
عن الدنيا تاركا لها وعلى المنعة فان
لم يمنعهم فلا شي عليهم حتى يمنعهم
وان غدروا بفعل او بقول فالذمة
منهم بريئة

بسم اللہ الرحمن الرحیم
یہ وہ معاہدہ ہے جو خالد بن ولید نے
عدی اور عمر پسران عدی اور عمرو
بن عبدالمسیح اور ایاس بن قبیصہ کے ساتھ کیا یہ
لوگ اہل حیرہ کے مقبولہ و مقرر کردہ قایم مقام
ہیں یہ قرارداد ہے کہ ہر سال ایک لاکھ نوّے ہزار
درہم بطور جزیہ وہ لوگ ادا کرینگے جو دنیاوی
مقدرت رکھتے ہوں اور رہبان اور قسیس مگر وہ
لوگ مستثنیٰ ہیں جو مفلس ہوں دنیا سے بالکل
بے تعلق ہوں۔ بنیاد معاہدہ حفاظت ہے اگر
میں خالد بن الولید ان کی حفاظت نہ کروں
جزیہ کا کوئی جز واجب نہ ہوگا اور وہ
(اہل حیرہ) قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو ہماری
پناہ سے نکل جائینگے

حضرت خالد نے فوجی اور ملکی انتظام کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھا تھا۔ فوجی افسر جدا تھے اور ملکی جدا۔ چنانچہ اوّل ہی لڑائی کے بعد جس میں ہرمز کام آیا فوج کے سردار حضرت سعید بن نعمان اور ملکی حاکم سوید بن مقرن مقرر کیے گئے۔ سوید کو ہدایت کی گئی کہ اپنے ماتحت عمال وصول خراج کے واسطے مفصلات میں متعین کریں جن پرگنوں کے باشندے مقابلے پر نہیں آئے اُن سے کچھ مزاحمت نہیں کی گئی اور آشتی کے ساتھ لگان کا بندوبست کرلیا گیا۔ بالقیا۔ باروسما وغیرہ اسی سلسلے میں تھے۔ حیرہ اور اُبلہ خراج کے صدر مقام تھے جو اُس وقت کی اصطلاح میں سواد کہلاتے تھے۔ سواد حیرہ کے ماتحت حسب ذیل پرگنے اور عامل خراج تھے۔

نام پرگنہ	نام عامل
فلالیج (بلندی عراق)	عبداللہ ابن رثیمہ
بالقیا رو باروسما	جریر بن عبداللہ
نہرین	بشیر بن خصاصہ
روذمستان	اُط بن ابی اُط

سواد اُبلہ کے حاکم مال سوید بن مقرن کے نائب حسب ذیل عُمال تھے۔

حکہ حبطی حصین بن ابی الحیسر ربیعہ بن عسل

خوبی انتظام کی شہادت اِس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ پچاس دن کے اندر حصّہ مقبوضہ کا مقررہ خراج وصول ہو کر داخلِ خزانہ ہو گیا۔ اس روپیہ سے مسلمانوں کو آیندہ مہمات میں بہت مدد ملی۔ حضرت خالد کا اُصول عمل یہ تھا کہ جہاں پہونچتے تھے اوّل تبلیغ اسلام کرتے تھے بصورت عدم قبول جزیہ طلب کرتے تھے اِس سے

بھی انکار ہوتا تو اعلانِ جنگ کیا جاتا۔ چنانچہ حیرہ کے معرکے سے پہلے جب اشراف اہلِ فارس
بہ سرگروہی قبیصہ بن ایاس نائب کسریٰ حضرت خالد کے پاس آئے تو اُنھوں نے کہا:-

ادعوکم الی الاسلام فان	یعنی میں تم کو اسلام کی جانب بلاتا ہوں اگر تم قبول اسلام
اجبتم فانتم من المسلمین	کروگے تو تم مسلمانوں کا جزو ہو جاؤگے تمھارے وہی حقوق
لکم ما لھم وعلیکم ما علیھم	ہونگے جو ہمارے ہیں اور وہی ذمہ داریاں ہونگی جو ہم
فان ابیتم فالجزیۃ فان ابیتم	پر ہیں اس سے انکار ہو تو جزیہ دو یہ بھی منظور نہیں تو سمجھ لو کہ
فقد اتیتکم باقوام ھم احرص	تمھارے مقابلے کے واسطے وہ فوجیں لے کر آیا ہوں جو موت
علی الموت منکم علی الحیوٰۃ	پر ایسی ہی جان دیتے ہیں جیسے تم زندگی پر۔ بلکہ زیادہ

جزیہ کی مقدار معاہدۂ حیرہ میں فی کس چار درھم تھی (یعنی ایک روپیہ) راہب تارک الدنیا
اور مفلس مستثنیٰ تھے۔ جزیہ کے عوض میں مسلمانوں کی جانب سے حفاظت کا عہد ہوتا تھا
ہر معاہدۂ جزیہ میں یہ تصریح ہوتی تھی کہ اگر ہم تمھاری حفاظت نہ کرسکینگے تو جزیہ بھی نہ لینگے
اِن معرکوں میں کس قدر احتیاط کی جاتی تھی اور حضرت ابوبکر چھوٹے چھوٹے واقعات سے
بھی کس درجہ خبردار رہتے تھے۔ حسب ذیل واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ مضیح کی لڑائی میں
جب مسلمانوں نے شب خوں مارا تو دو مسلمان بھی جو دشمنوں میں رہتے تھے کام آئے
ایک عبدالعزیٰ جن کا اسلامی نام عبداللہ تھا دوسرے لبید۔ شب خوں کے وقت
جو اشعار عبداللہ کی زبان پر تھے اُن میں یہ مصرع بھی تھا ؏

سبحانک اللّٰھم رب محمد

حضرت ابوبکر نے یہ ماجرا سنا تو دونوں کا خونبہا ورثا کو ادا کیا اور حکم دیا کہ اُن کے
پس ماندوں کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کیا جائے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہا:-

اما ان ذلک لیس علیؐ اذناً لا　　　اس کی ذمہ داری میرے سر نہیں ہے جب کہ وہ

اهل الحرب　　　دار الحرب میں قیام پذیر تھے

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالد نے حیرہ کو اپنا صدر مقام مقرر کیا۔ وہیں سے ہر طرف انتظام کے واسطے آتے جاتے تھے۔ السیب سرحدی مقام تھا سرحد کی حفاظت پر کار آزمودہ جواں مرد مامور تھے۔ مثلاً حضرت ضرار بن ازور۔ حضرت ضرار بن الخطاب۔ مثنیٰ بن حارثہ خلافت کے احکام فتح عراق کی بابت یہ تھے کہ جب حیرہ پر نشیبی و بالائی دونوں لشکر اسلام جمع ہو جائیں تو ایک امیر عسکر حیرہ میں قیام کرے دوسرا مدائن دار السلطنت پر بڑھے حضرت خالد اپنے مفوضہ مہمات طے کر کے حیرہ پہنچ گئے لیکن حضرت عیاض اس سرعت سے ختم نہ کر سکے۔ اور حسب ارشاد خلافت حضرت خالد کو اُن کی مدد کے واسطے بمقام دومۃ الجندل جانا پڑا۔ اسی سلسلے میں حضرت خالد کربلا کی چھاونی تک گئے۔ اُس وقت مسلمانوں کی آویزش کا سلسلہ کنارۂ دجلہ تک پہنچ چکا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ خود مدائن کے بعض مورچوں پر سرگرم قتال تھے۔ حضرت خالد نے چند روز کربلاء میں قیام کیا وہاں اُس زمانے میں مکھیوں کی بہت کثرت تھی۔ عبداللہ بن وثیمہ نے شکایت کی تو حضرت خالد نے جواب دیا صبر کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ جن چھاونیوں کا خالی کرنا عیاض کے سپرد تھا اُن کو فتح کر کے عربوں کو قابض کر دوں تاکہ مسلمانوں کا عقب محفوظ ہو جائے۔ اور آمد رفت کا سلسلہ بے خدشہ جاری رہے۔ یہی حکم خلیفہ کا ہے اور خلیفہ کی رائے ایک جماعت کی رائے کے برابر قوی ہے۔

"ورایہ یعدل بجدا کہ الامۃ"

رمضان المبارک میں دومۃ الجندل وغیرہ کے معرکے سر کر کے حضرت خالد فراض

جا پہونچے جہاں فارس۔ شام اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اسی موقع پر عید کی نماز ادا کی۔ مسلمانوں کا اجتماع فراض پر دیکھ کر رومیوں کو جوش اور غصہ آیا اور اُنھوں نے فارس کی چھاونیوں، کفار عرب کے قبائل تغلب آباد۔ نمر سے مدد لے کر مسلمانوں کے مقابلے کا تہیہ کیا۔ تغلب و غیرہ قبائل سرحد روم پر آباد تھے اور ان میں مسلمانوں کے خلاف جوش موج زن تھا اس طرح رومی، اہلِ فارس، اور عرب متفق ہو کر مسلمانوں پر بڑھے۔ فرات کے کناروں پر دونوں فوجیں جمع ہوئیں۔ رومیوں نے حضرت خالد سے دریافت کیا کہ تم ادھر آؤ گے یا ہم اُدھر آئیں اُنھوں نے جواب دیا کہ تم آؤ۔ رومیوں نے کہا بہتر لیکن جس موقع پر تم ہو وہاں سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم دریا کو عبور کر سکیں۔ حضرت خالد نے اس سے انکار کیا۔ انکار سن کر رومیوں نے اور ایرانیوں نے مشورہ کیا کہ خالد اپنی بات سے ہٹنے والا نہیں۔ خود ہم کو دوسرے گھاٹ سے عبور کر کے مقابلہ کرنا چاہیئے چنانچہ مخالف لشکر نے دریا اتر کر نہایت جوانمردی و عزم کے ساتھ حملہ کیا۔ مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بعد فتح لشکر اسلام نے تعاقب کیا اور کثرت سے دشمن کام آئے۔ کامیابی کے بعد حضرت خالد دس روز فراض میں مقیم رہے۔ اور ضروری انتظام کر کے پانچویں ذی قعدہ کو حیرہ کی واپسی کا حکم دیا۔ عاصم کو ہدایت کی کہ لشکر لے کر چلیں۔ شجرہ بن الاغر ساقہ پر تھے۔ خود حضرت خالد نے اپنا قیام ساقہ میں رکھا جب لشکر آگے بڑھا تو حضرت خالد چند آدمیوں کو لے کر علٰحدہ ہو گئے اور غیر معروف راستہ سے مکہ پہونچ کر حج کیا۔ یہ سفر اس تیزی سے طے کیا کہ لشکر کے اخیر حصہ کے ساتھ حیرہ میں داخل ہو گئے۔ واپس آئے تو فرمانِ خلافت ملا جس میں اس جسارت پر کہ لشکر سے علٰحدہ ہو کر حج ادا کیا تنبیہ تھی اور آیندہ احتیاط کی ہدایت اس طرح حضرت خالد نے سنہ ۱۲ھ کے اختتام سے پہلے تجویز شدہ مہم عراق کی تکمیل کر دی۔

حج ذی حجہ ۱۲ھ ہجری میں حضرت ابوبکر نے حج کیا۔ اُن کی غیبت کے زمانے میں حضرت عثمان بن عفان مدینہ میں نائب رہے۔

شام ۱۳ھ ملک شام اُس عہد میں سلطنت روم میں شامل تھا۔ عراق کی طرح سلطنت روم کی عربی سرحد پر بھی قبائلِ عرب آباد تھے جو اہلِ حجاز کے ساتھ گوناگون تعلقات رکھتے تھے ہجرت کے بعد جب نواح مدینہ کے یہود عرب مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو کر اُٹھے اور دائرہ خصومت وسیع ہوا تو اُس کا اثر سرحدِ روم تک پہونچا اور اُس طرف سے بھی کاوش و آویزش شروع ہوئی۔ ۸ھ ہجری کے وسط میں حضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مہم رومیوں کے مقابلے پر روانہ فرمائی جو سیرۃ میں غزوۂ موتہ کے نام سے مشہور رہی۔ اُس مہم کا جس فوج گراں سے مقابلہ ہو گیا اس میں خود ہرقل روم عربوں کی ایک جماعتِ کثیر کے ساتھ موجود تھا اِسی غزوہ میں حضرت جعفر طیار اور حضرت زید بن حارثہ شہید ہوئے رضی اللہ عنہما۔ رجب ۹ھ میں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک تشریف لے گئے اس مہم کا مقصود بھی ہرقل کے حملہ کا روکنا تھا۔ جیش اُسامہ کی روانگی بھی رومیوں کے مقابلے پر ہوئی تھی۔ ابھی ابھی سُن چکے ہو کہ مہمِ عراق کے دوران میں کس طرح رومی از خود میدان میں اُتر آئے۔ ان ہی وجوہ سے آغازِ خلافت سے حضرت صدیق اکبر کی نگاہ جن دشمنوں سے لڑ رہی تھی اُن میں ایک ہرقل روم بھی تھا۔ مہمِ عراق کی کامیابی کے بعد سفرِ حج سے واپس آکر حضرت ابوبکر نے مہمِ شام کا اہتمام کیا۔ سب سے اول حضرت خالد بن سعید کو ایک حصۂ فوج کے ساتھ بھیجا اور اُن کو حکم دیا کہ مقام تیما پہونچکر قیام کریں اور تا حکم ثانی آگے نہ بڑھیں۔ خود حملہ نہ کریں اُدھر سے حملہ ہو تو دفع کریں۔ جو مسلمان قبائل تیما کے نواح میں ہوں اُن کو شرکت کی ترغیب دیں لیکن یہ شرط تھی کہ جو لوگ ارتداد

کا داغ کھا چکے ہوں وہ شامل نہ کئے جائیں۔ حضرت خالد بن سعید نے بموجب حکم تیماؔ پہونچکر پڑاؤ کیا۔ قبائل کا لشکر عظیم اُن کے نشان کے نیچے جمع ہو گیا۔ ہرقل کو جب اس فوجِ گراں کی خبر پہونچی تو اُس نے بھی تیاریاں شروع کیں۔ اور عرب کے مقابلے کے لئے عرب انتخاب کئے۔ قبائل لخم غسان جذام وغیرہ جو شام کی سرحد پر آباد تھے حضرت خالد بن سعید کے مقابلے کے واسطے تیماؔ سے تین منزل کے فاصلے پر فراہم ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع کی گئی حکم آیا:۔

اقدم ولا تحجم واستنصر الله آگے بڑھو رکو مت خدا سے مدد مانگو

اِس ہدایت کے مطابق مُسلمانوں نے حملہ کیا اور مخالفین کی جمعیت پریشان ہو گئی۔ شامیوں کی چھاونی پر حجازی لشکر کا قبضہ ہو گیا۔ اِس کش مکش کا ایک مبارک نتیجہ یہ ہوا کہ جو قبائل مقابلے پر بڑھے تھے وہ دائرہ اِسلام میں داخل ہو گئے۔ اِس کی اِطلاع بھی مدینہ گئی حکم ہوا اور آگے بڑھو لیکن اِس احتیاط سے کہ عقب محفوظ رہے۔ حضرت خالد بن سعید نے قدم آگے بڑھایا اور زیرا، وآبل کے درمیان منزل کی یہاں باہان نامی ایک بطریق نے مقابلہ کر کے شکست کھائی۔ اس کی اطلاع کے ساتھ حضرت خالد بن سعید نے مزید مدد کی درخواست بھیجی اور اب حضرت صدیقؓ نے پورے اہتمام کے ساتھ مہم کا انصرام فرمایا۔ اسی عرصے میں وہ لشکر جو یمن، عمان، بحرین، تہامہ وغیرہ مقامات میں اہل ارتداد سے لڑ رہے تھے کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آ گئے۔ حضرت عکرمہ ذو الکلاع حمیری (یمن کے شاہی خاندان حمیر کی یادگار) اسی جمعیت میں تھے۔ چار جدید فوجیں شام کو روانہ کی گئیں ایک کے امیر حضرت ابو عبیدہ تھے دوسرے کے حضرت شرحبیل بن حسنہ، تیسری کے حضرت یزید بن ابو سفیان۔ چوتھی کے حضرت عمرو بن العاص۔ یہ افواج مختلف حصص شام پر مامور ہوئیں۔ حضرت عمرو

بن العاص کو براہ معرفہ فلسطین پر بڑھنے کا حکم ملا۔ بقیہ تینوں لشکر مختلف سمتوں سے بلقاء (بلندی شام)، کی جانب بڑھے۔ ہر امیر کے متعلق مختلف شہروں کی تسخیر تھی۔ مجموعی اُصول یہ تھا کہ :-

اعرف انّ الرّوم ستشغلهم فاحبّ	میں جانتا ہوں کہ عنقریب وہ پوری قوت سے مسلمانوں کے
انّ یصعد المصوب ولیصوب المصعد	مقابل ہونگے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ بلندی والے نشیب کی جانب اور
لئلّا یتواکلوا	نشیب والے بلندی کی طرف آجاسکیں اور ایک دوسرے کے محتاج نہ رہیں

مؤرّخ طبری لکھتے ہیں :-

فکان کما ظن	وہی ہوا جو حضرت ابو بکر کا خیال تھا

مسلمانوں کی ان چاروں فوجوں کی تعداد ستائیس ہزار تھی۔ حضرت خالد بن سعید کی جمعیت اِس کے علاوہ ہرقل کو جب ان واقعات کا علم ہوا تو اُس نے بڑے زور شور سے تیاریاں کیں۔ خود شام پہونچکر حمص[1] میں قیام کیا۔ یہ تجویز کی کہ مسلمانوں کے ہر لشکر کا جُدا جُدا مقابلہ کیا جائے تاکہ اُن کو اجتماع کا موقع نہ ملے۔ تذارق ہرقل کا حقیقی بھائی نوّے ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کے جرجہ بن توذرا قریباً اسی قدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان کے ذراقص حضرت شرجیل بن حسنہ کے اور فیقار بن نسطوس ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے مقابلے پر مامور ہوا تذارق کا مقدمۃ الجیش آگے بڑھ کر ثنیہ نامی مقام پر (جو فلسطین کا بلند حصّہ تھا) خیمہ زن ہوا۔ مسلمانوں نے جب رومیوں کا ٹیڑی دل دیکھا تو گھبرائے اور حضرت عمرو بن العاص سے مشورہ طلب کیا۔ فوج کی زیادہ جمعیت اِنہی کے پاس تھی۔ جواب دیا :-

---

[1] شام کا وہ صوبہ جس کا صدر بیت المقدس تھا

الرّأی الاجتماع وذٰلك انّ مثلنا اذا	رائے یہ ہے کہ سب مجتمع ہو جاؤ وجہ یہ کہ ہم سے آدمی
اجتمع لم یغلب من قلّۃٍ واذا نحن تفرقنا	جب جمع ہو جائیں تو محض قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں
لم یبق الرجل منّا فی عدد یقرن فیہ حدٌ	ہو سکتے اور اگر ہم متفرق ہو گئے تو پھر ہم میں سے کسی کے پاس
ممّن استقبلنا واعدّ النا لکلّ طائفۃ	اسقدر جمعیت نہیں رہیگی کہ اپنے مقابل حریف کا مقابلہ کرسکے ہمارے
منّا فاتعدوا الیرموک	ہر لشکر کے مقابلے کیواسطے الگ الگ فوج بھیجی گئی ہے۔ یرموک پر جمع ہو جاؤ

حضرت ابو بکر کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے بھی مذکورۂ بالا رائے پسند کی اور لکھا:۔

اجتمعوا فتکونوا عسکرًا واحدًا والقوا	سب جمع ہو کر ایک لشکر بنجاؤ اور مشرکوں کی صفیں مسلمانوں
زحوف المشرکین بزحف المسلمین فانّکم	کی فوج سے اُلٹ دو اس کا یقین رکھو کہ تم اللہ کے مددگار ہو
اعوان اللّٰہ واللّٰہ ناصر من نصرہ وخاذل	اور اللہ اپنے مددگار کو فتح دیتا ہے اور جو اس کا منکر ہو اُس کو
من کفرہ ولن یؤتی مثلکم من قلّۃٍ وانّما	رسوا کرتا ہے تم سا گروہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتا
یؤتی العشرۃ الاف والزیادۃ علی العشرۃ	حقیقت حال یہ ہے کہ ہزاروں جمعیت اگر راہِ معصیت اختیار
الاف اذا اتو من تلقاء الذنوب فاحترسوا	کرے تو ہزیمت پا ہو جاتی ہے لہذا واجب ہے کہ گناہوں سے
من الذنوب واجتمعوا بالیرموک	خبردار رہو۔ مقام یرموک میں اپنے اپنے نشان کے نیچے
متساندین ولیصلّ کلّ رجلٍ	جمع ہو ہر امیر عسکر اپنے آدمیوں کے ساتھ نماز ادا
باصحابہ	کرے

ہرقل کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے بھی نقشۂ مہم بدل دیا کہ تمام لشکر ایک جگھ جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ پڑاؤ ایسے موقع پر کیا جاوے جس کا سامنا کشادہ ہو اور عقب تنگ۔ تذارق امیر الامرا ہو۔ مقدمہ پر جرجہ اور دائیں بائیں بازو پر ذراقص و باہان۔

اِس کے ساتھ یہ خوش خبری بھی تھی کہ باہان عنقریب اور تازہ دم فوج لے کر تمہارے پاس پہونچتا ہی۔ فرمانِ شاہی کے مطابق رومیوں کا لشکر واقوصہ نامی مقام پر اُترا۔ یہ مقام دریائے یرموک کے کنارے پر تھا۔ سامنے دریائے یرموک تھا۔ پشت پر ایک سیدھا اونچا پہاڑ یہ محفوظ جگہ اس لیئے انتخاب کی گئی کہ رومیوں کے ہوش بجا ہوں مسلمانوں کا جو خوف طاری تھا وہ رفع ہوا اور دل ٹھہریں۔ مسلمانوں نے اس موقع کا اندازہ کیا اور اپنا پڑاؤ چھوڑ کر رومیوں کے سامنے مورچہ جمایا۔ اس طرح رومی پشت اور پیش دونوں جانب سے محصور ہوگئے۔ حضرت عمرو بن العاص نے یہ کیفیت دیکھ کر مسلمانوں سے کہا:-

ایّھا النّاس ابشروا احصرت واللہ الروم وقل ماجاء محصور بخیرٍ — مژدہ ہو اے لوگو! قسم رب کی رومی محصور ہوگئے اور محصور فوج بہت کم فلاح پاتی ہی

مُسلمان تین مہینے تک محاصرہ کئے رہے۔ سامنے دریا حائل تھا پشت پر پہاڑ اس لیئے مسلمان خود حملے سے مجبور تھے۔ رومی حملے سے دل چُراتے تھے۔ معمولی حملے کرتے تھے جو پسپا کر دیئے جاتے۔ صفر کے مہینے میں اس اجتماع اور معرکہ کی کیفیت مدینہ پہونچی۔ حضرت خالد کے نام مراسلہ جاری ہوا کہ عراق کے معاملات مثنّے کے سپرد کر کے اپنے لشکر کے ساتھ یلغار کر کے شام پہونچو۔ حضرت خالد نے اِس حکم کی پوری تعمیل کی اور اس سرعت سے یرموک پہونچے کہ اُن کے گھوڑے کے پاؤں بیکار ہوگئے۔ ربیع الآخر کے آخر میں یہ لشکر یرموک پہونچا۔ اُسی روز باہان رومیوں کی کمک لے کر پہونچا تھا۔ اِس لشکر کے آگے آگے پادریوں کے مختلف طبقے شمامہ، راہب، قسیس وغیرہ تھے اور مسلمانوں کے مقابلے کی ترغیب دیتے جاتے تھے۔ مؤرخین نے رومیوں کی مجموعی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہی۔ حضرت خالد کی نو ہزار سپاہ اور بعض اور کمکوں کے

شامل ہو جانے سے مسلمانوں کی جمعیت چھیالیس ہزار ہو گئی تھی۔ رومی باوجود اپنی کثرت اور حریف کی قلت کے حضرت خالد کے پہونچنے کے بعد بھی ایک مہینے تک خندق میں چھپے رہے۔ مذہبی پیشوا اُن کو اُبھارتے تھے نصرانیت کی تباہی کا ماتم کرتے تھے لیکن کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ آخرکار بہت سی کوششوں کے بعد آمادۂ پیکار ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخر کا ہے اس طرح پانچ مہینے کے محاصرے کے بعد میدان میں نکلے۔ مسلمانوں کی مختلف فوجیں اپنے اپنے امیر کی زیرِ حکم تھیں۔ کُل فوج پر کوئی سردار نہ تھا۔ جب رومیوں کے حملے کی اطلاع ہوئی تو اس طرف سے ارادہ ہوا کہ ہر حصۂ لشکر اپنے اپنے سردار کی ماتحتی میں مقابلہ کرے اس طرزِ جنگ کو عرب کی اصطلاح میں تساند کہتے تھے۔ حضرت خالد نے یہ حالت دیکھی تو تمام فوج کے سامنے ایک خطبہ دیا اُس میں بیان کیا کہ آج کا دن ایک عظیم الشان دن ہے جو تاریخ میں یادگار رہیگا اپنے ذاتی شرف اور فخر کو علحدہ رکھ کر صرف مرضی الٰہی کے واسطے کام کرنا چاہیئے اور وہ طرز اختیار کرنی چاہیئے جس سے دشمن نفع نہ اٹھاوے۔ متفرق اُمرا کی ماتحتی میں لڑنا قوت کو منتشر کرنا ہے وہ رائے قرار دو جو مناسب موقع ہو۔ سب نے کہا تم اپنی رائے ظاہر کرو۔ اُنھوں نے کہا کہ خلیفہ کا اندازہ تھا کہ معرکے آسان ہونگے۔ جو واقعات یہاں پیش ہیں اگر ان کی خبر ہوتی تو ضرور وہ تمام لشکر کو ایک امیر کا ماتحت کر دیتے۔ اب یہ ہونا چاہیئے کہ کُل لشکر ایک سپہ سالار کے حکم سے لڑے۔ جو باری باری سے مقرر ہو۔ ایک دن ایک امیر ہو دوسرے روز دوسرا۔ اگر پسند ہو آج کی امارت میری سپرد کردو۔ سارے اُمرا نے اس رائے کو تسلیم کیا اور اُس روز کی سپہ سالاری حضرت خالد کو تفویض کی گئی۔ رومیوں نے اپنی فوج نئی ترتیب سے قایم کی تھی۔ امیر اسلام نے بھی معمولی ترتیب چھوڑ کر جدید طرز اختیا

کی - جو عرب نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی - تمام سپاہ کو چالیس دستوں پر تقسیم کرکے ہر دستے پر ایک کارآزمودہ سردار مقرر کیا - اور فوج والوں سے کہا کہ دشمن کی کثرت ہو تو اس سے بہتر ترتیب نہیں ہو سکتی - اس سے لشکر کی تعداد دونی معلوم ہوتی ہے - قلب پر حضرت ابو عبیدہؓ میمنہ پر حضرت شرحبیل بن حسنہ اور عمرو بن العاص اور میسرہ پر حضرت یزید بن ابی سفیان مقرر کیے گئے - ایک دستہ حضرت خالد کے بیٹے عبدالرحمٰن کے سپرد تھا جن کی عمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی - قاضی عسکر حضرت ابو دردا تھے - قاص حضرت ابو سفیان - اور قاری حضرت مقداد - غزوۂ بدر کے بعد حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت مقرر فرمادی تھی کہ آغاز غزوہ سے پیشتر سپاہِ اسلام کے سامنے سورۂ انفال پڑھی جائے یہ خدمت قاری کے سپرد تھی قاص کی یہ خدمت تھی سپاہیوں کے سامنے کھڑے ہو کر جوش جنگ تازہ کرتے - چنانچہ حضرت ابو سفیان ہر دستے کے سامنے جاتے اور کہتے :-

انتم ذادة العرب وانصار الاسلام	تم جواں مردانِ عرب ہو اور اسلام کے انصار - وہ
وهم ذادة الروم وانصار الشرك	جواں مردان روم ہیں اور شرک کے مددگار - اے
اللهم هذا يوم من ايامك اللهم انزل	اللہ آج کا دن معرکہ کا دن ہے - اے اللہ اپنی مدد
نصرك على عبادك	اپنے بندوں پر نازل فرما

لشکر اسلام میں ایک ہزار صحابی شریک تھے جن میں سے سو بزرگ بدری تھے - جب حضرت خالد لشکر کی صفیں قایم کر رہے تھے ایک شخص نے کہا کہ رومیوں کی فوج کس قدر زیادہ ہے - اور ہماری کتنی کم - حضرت خالد نے کہا کہ نہیں ہماری فوج بہت ہی زیادہ ہے - اور رومیوں کی بہت ہی کم - سپاہ کی قلت یا کثرت تعداد پر موقوف نہیں نتیجہ جنگ فتح و شکست سے اس کا اندازہ ہوتا ہے - خلاصہ یہ کہ ترتیب صفوف کے بعد

حضرت خالد نے حکم دیا کہ حضرت عکرمہ و حضرت قعقاع قلب کے دونوں بازوؤں سے نکل کر حملہ آور ہوں۔ معرکہ کارزار گرم ہوا عین معرکہ میں مدینہ سے قاصد پہونچا۔ لوگوں نے حال دریافت کیا تو اُس نے خیریت اور آمد مدد کی خوش خبری سنائی۔ حضرت خالد کے پاس پہونچا تو آہستہ کچھ کہا اور مراسلہ دیا۔ اُنھوں نے مراسلہ کو بجنسہ ترکش میں رکھ لیا۔ اور مصروفِ جنگ ہو گئے۔ ہنگامۂ دار و گیر میں جذب حق کا کرشمہ دیکھو۔ دورانِ کارزار میں رومیوں کا سردار جبرجہ بن توذرا میدان میں آیا اور للکار کر کہا خالد میرے سامنے آئیں۔ حضرت خالد نے حضرت ابوعبیدہ کو اپنا نائب کیا اور خود آگے بڑھ کر دونوں لشکروں کے درمیان جرجہ سے ملے۔ اوّل دونوں نے ایک دوسرے کو پناہ دی بعد ازاں اس قدر مل کر کھڑے ہوئے کہ گھوڑوں کی کنوتیاں مل گئیں۔ جرجہ۔ سچ کہنا جھوٹ مت بولنا آزاد مرد جھوٹ نہیں بولتے۔ دھوکا نہ دینا، فریب شرفا کا شیوہ نہیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ خدا نے تمھارے نبی کے پاس آسمان سے تلوار بھیجی تھی وہ تم کو عطا ہوئی اور اُس کا اثر ہے کہ تم ہر جگہ فتح یاب ہوتے ہو۔ حضرت خالد۔ نہیں۔ جرجہ۔ پھر تمھارا لقب سیف اللہ کیوں ہے۔ حضرت خالد۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا۔ اُنھوں نے اسلام ہمارے سامنے پیش کیا۔ اوّل ہم سب کے سب بھاگ کر کنارہ کش ہو گئے پھر بعض نے تصدیق کرکے پیروی اختیار کی۔ بعض دور دور رہ کر جھٹلاتے رہے میں اُن میں تھا جو تکذیب پر قایم تھے۔ اس کے بعد اللہ نے ہمارے قلب پھیر دئیے۔ گردنیں جھکا دیں اور ہدایت بخشی۔ میں نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی اُس وقت ارشاد ہوا:۔

انت سیف من سیوف اللہ سلّہ ۔ اے خالد تو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو

نتیجہ یہ ہوا کہ اب میں سب مسلمانوں سے زیادہ مشرکوں کا دشمن ہوں - جرجہ - تم نے سچ کہا - اب یہ بتاؤ کہ دعوتِ اسلام کیا ہی - حضرت خالد - اس امر کا اقرار کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں - اور محمدؐ اُس کے بندے اور رسول ہیں - اور اُس پیام کی تصدیق جو وہ خدا کی طرف سے لائے - جرجہ - اگر اُس کو کوئی نہ مانے - حضرت خالد جزیہ دے - یہ بھی قبول نہ کرے - حضرت خالد ہم اوّل اعلانِ جنگ کرینگے - جرجہ - جو تم میں شامل ہو اُس کا مرتبہ - حضرت خالد - اللہ کا فرمان ہی کہ سب مسلمان درجہ میں برابر ہیں اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ اوّل ہوں یا آخر جرجہ جو آج ایمان لائے وہ بھی رتبہ میں مساوی ہوگا - حضرت خالد برابر ہوگا بلکہ افضل - جرجہ - یہ کس طرح - حضرت خالد - ہم نے جب اسلام قبول کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حیات تھے - نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا - آپ احکامِ آسمانی کی خبر دیتے تھے ہم معجزات و تصرّفات مشاہدہ کرتے تھے - اس صورت میں ہمارا مسلمان ہونا لازم تھا آج تم اُن باتوں کو نہیں دیکھتے پھر بھی ایمان لاتے ہو تو تم ہم سے افضل ہو - جرجہ - تم قسم سے کہتے ہو کہ تم نے مجھ سے پورا سچ کہا - دھوکا نہیں دیا - تالیفِ قلب نہیں کی - حضرت خالد - واللہ نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ کو تم سے یا کسی سے نفرت ہی - جو تم نے پوچھا اُس کا سچا جواب میں نے دے دیا - اللہ میرا مددگار ہی - جرجہ - بے شک تم نے سچ کہا - یہ کہہ کر اپنی ڈھال پسِ پشت ڈال دی اور کہا مجھ کو اسلام کی تلقین کرو - حضرت خالد اُس کو اپنے خیمے میں لے گئے - اوّل غسل دیا - پھر تلقینِ اسلام کے بعد جرجہ کو مقتدی بناکر دو رکعت نماز ادا کی - جرجہ کی یہ حالت دیکھ کر رومیوں نے عام ہلّہ کر دیا - پہلے حملے میں مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے - حضرت عکرمہ اور حضرت حارث بن ہشام ثابت قدم رہے

جس وقت حضرت خالد جرجہ کو لے کر خیمے سے نکلے تو رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے۔ حضرت خالد نے للکارا تو مسلمانوں نے دلیری سے حملہ کر کے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اب سیف اللہ نے ہلّہ کیا اور شمشیر آزمائی شروع ہوئی۔ چاشت سے دن ڈھلنے تک میدانِ جنگ یکساں گرم رہا۔ انتہا یہ کہ عصر کی نماز اشارے سے ادا کی گئی۔ یہ عالم قابلِ دید تھا کہ وہ جرجہ جو صبح کو مسلمانوں کے دشمن تھے اب حضرت خالد کے پہلو بہ پہلو نشۂ ایمان میں سرشار رومیوں پر وار کر رہے تھے۔ اور یہ قسمت کہ عین معرکہ میں سعادتِ شہادت سے کامیاب ہوئے۔ اور صرف وہ نماز ادا کر کے جو آغازِ اسلام کا نیاز تھی سُرخ رُو اپنے رب کے حضور میں پہونچے۔ رضی اللہ عنہ۔ شام کے قریب رومیوں کو لغزش ہوئی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد نے قلب کے دستے لے کر خود حملہ کیا اور پہلے ہلّے میں دشمن کے پیادوں اور رسالوں کے درمیان گھُس کر حدِّ فاصل بن گئے اوّل رسالوں کو شکست ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ مُسلمان اس شکست سے خوش ہوئے لیکن اپنی جگہ پر قایم رہے۔ تعاقب نہیں کیا۔ سواروں کے بعد حضرت خالد نے پیدلوں پر دھاوا کیا۔ اُن کی جمعیت بھی متفرق ہوئی اور خندق میں جا گھُسی۔ مُسلمان متعاقب پہونچے پُشت پر پہاڑ تھا۔ اس لیئے رومی گھر گئے۔ اور ہزاروں تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ حضرت خالد نے بڑھ کر روم کے سپہ سالار تذارق کے خیمے پر قبضہ کر لیا۔ نمازِ مغرب بعد فتح تنگ وقت پر ادا کی گئی۔ رومی شکست پا چکے تاہم متفرق لڑائی کا سلسلہ صُبح تک جاری رہا۔ حضرت خالد کے گرد مسلمانوں کے رسالے تھے۔ اور تذارق کے خیمہ گاہ سے وہ تمام شب فوج کو لڑاتے رہے۔ شب کے وقت حضرت عکرمہ نے کہا کہ میں بہت سے معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتا رہا۔ آج کیا میں رومیوں سے بھاگ

جاؤنگا۔ کون ہی جو مجھ سے موت پر بیعت کرے۔ یہ سُن کر حضرت ضرار بن ازور نے معہ چار سو مسلمانوں کے اُن کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی۔ اور حضرت خالد کے خیمے کے سامنے جم کر لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ باستثناء معدودے چند سب کے سب شہید ہوگئے۔ صبح کو لوگ بحالتِ نزع حضرت عکرمہ اور اُن کے بیٹے عمرو بن عکرمہ کو اُٹھا کر حضرت خالد کے پاس لائے۔ اُنھوں نے حضرت عکرمہ کا سر اپنی ساق پر اور عمرو بن عکرمہ کا ران پر رکھا۔ چہرہ سے خاک صاف کرتے منھ میں پانی ٹپکاتے اور کہتے جاتے۔ اس پر بھی ابن خیثمہ کا خیال ہی کہ ہم کو شہادت کی تمنا نہیں۔ اِسی حالت میں خدا کے دونوں برگزیدہ بندے رہگرائے عالمِ بالا ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔ یہ واقعہ سننے کے قابل ہی کہ اس لڑائی میں مسلمان بی بیاں بھی شریک تھیں اور اپنے دستے جدا گانہ قایم کرکے سرگرم قتال ہوئیں جویریہ بنت ابوسفیان کے دستے نے سب سے زیادہ کارنمایاں کیا۔ تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ صبح ہوتے ہوتے میدان رومیوں سے صاف ہوگیا۔ آفتاب طلوع ہوا تو اس نے اسلامی پرچم دریائے یرموک پر لہراتا دیکھا۔ یہ فتح بہت مہتم بالشان تھی اِس کی وجہ سے مسلمانوں کا سکہ رومیوں کے دل پر بیٹھ گیا اور فتوحات کا دروازہ کھُل گیا۔ اس معرکے کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہی کہ رومیوں نے آغازِ کار میں ایک عرب جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ ایک دن ایک رات وہ حالت جانچتا رہا۔ واپس گیا تو کہا:۔

باللیل رھبانٌ وبالیوم فرسانٌ لو سرق	وہ لوگ رات میں درویش ہیں دن میں شہسوار حق پرستی
ابن ملکھم قطعوا یدہ ولو زنی رجم	کا یہ عالم ہی کہ اگر اُن کے بادشاہ کا بیٹا چوری کرے تو اس کا
لاقامۃ الحق فیھم	ہاتھ کاٹا جائے۔ زنا کرے تو سنگسار کردیا جائے

اب ہم کو یہ بتا دینا چاہیئے کہ جو قاصد اثناء جنگ میں مدینہ سے آیا تھا وہ حضرت ابو بکر کی رحلت کی خبر لے کر پہونچا تھا۔ جو مراسلہ اُس نے دیا تھا وہ حضرت عمر خلیفہ ثانی کا تھا۔ اُس میں حضرت خالد کی معزولی اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی سپہ سالاری کا حکم درج تھا۔

مرض الموت۔ وفات

ساتویں جمادی الآخر ۱۳؁ھ کو ہوا سرد تھی۔ حضرت ابو بکر نے غسل کیا۔ سردی کے اثر سے بخار ہو گیا۔ یہی بخار انجام کار مرض وفات ثابت ہوا پندرہ روز علیل رہے۔ علالت روز بروز بڑھتی گئی جب مسجد تک آنے کی قوت نہ رہی تو حضرت عمر کو امامت پر مقرر کیا۔ شدّتِ مرض کی حالت میں بعض آدمیوں نے کہا کہ طبیب طلب کر لیا جائے۔ جواب دیا کہ طبیب دیکھ چکا۔ پوچھا کیا کہا۔ فرمایا اُس کا قول ہے:۔

انی فعّال لما ارید — میں جو ارادہ کر لیتا ہوں کر ڈالتا ہوں

مدعا سمجھ کر لوگ چپ ہو رہے۔ ایام علالت اُس گھر میں بسر کیئے جو مسجد نبوی کے قریب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ تھا۔ حضرت عثمان پڑوس میں تھے اس لیئے اکثر حاضر باش رہے۔ سختی مرض زیادہ بڑھی تو حضرت ابو بکر کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی اور چاہا کہ مسلمانوں کو اختلاف سے بچانے کے لیئے اپنا جانشین نامزد کریں۔ اوّل خود سوچا پھر اکابرِ صحابہ سے مشورہ کیا۔ اور بعد مشورہ حضرت عمر کی نسبت رائے قایم کی۔ بعض صحابہ نے جن کو حضرت عمر کی سختی کا اندیشہ تھا اپنا یہ خیال مشورہ کے وقت ظاہر کیا تو جواب دیا کہ عمر کی سختی اس وجہ سے تھی کہ وہ میری نرمی سے واقف تھے۔ میرا تجربہ ہے کہ جب میں غصہ ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے۔ بعد مشورہ جب رائے پختہ ہو گئی تو ایک روز حضرت ابو بکرؓ بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ شدّت ضعف کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی

اُن کی بی بی حضرت اسماء بنت عمیس دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہوئے تھیں۔ نیچے آدمی جمع تھے۔ حضرت ابوبکر نے اُن کو مخاطب کر کے کہا:۔

اترضون ممن استخلف علیکم فانی واللہ ما آلوت من جھد الرأی ولا ولیت ذا قرابۃ وانی قد استخلفت عمر بن الخطاب فاسمعوا واطیعوا

آیا تم اُس شخص کو پسند کروگے جس کو میں ولی عہد مقرر کروں اس کو خوب سمجھ لو اور میں بالقسم کہتا ہوں کہ میں نے غور وفکر کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور میں نے اپنے کسی قرابتدار کو تجویز نہیں کیا میں عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں تم میرا کہنا سنو اور مانو

سب نے کہا سمعنا و اطعنا۔ ہم نے سُنا اور مانا۔ اُس کے بعد نیچے اُتر آئے اور حضرت عثمان کو طلب کر کے کہا عہدنامہ لکھو۔ چنانچہ حسب ذیل عہدنامہ لکھا گیا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذا ما عھد ابوبکر بن ابی قحافۃ فی آخر عھدہ بالدنیا خارجا منھا وعند اول عھدہ بالآخرۃ داخلا فیھا حیث یؤمن الکافر ویوقن الفاجر ویصدق الکاذب انی استخلفت علیکم بعدی عمر بن الخطاب فاسمعوا لہ واطیعوا وانی لم آل اللہ ورسولہ ودینہ ونفسی وایاکم الا خیرا فان عدل فذلک ظنی بہ وعلمی فیہ وان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ عہدنامہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی آخر زندگی کا ہے جب کہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور عالم آخرت کے داخلہ کی پہلی ساعت ہے جہاں کافر مومن۔ بدعقیدہ عقیدتمند اور جھوٹا صداقت شعار ہو جاتا ہے۔ میں نے عمر بن الخطاب کو اپنا ولی عہد کیا لہذا اُن کا حکم سنو اور مانو۔ خوب سمجھ لو کہ اس بارہ میں خدا اُس کے رسول۔ اس کے دین کی خود اپنی اور تمھاری خیرخواہی کا حق ادا کرنے کی میں نے پوری کوشش کی ہے اگر وہ عدل کرینگے تو اُن کی نسبت میرا یہی خیال اور علم ہے اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائے گا

بدال فلکل امرما اکتسب والخیر	نیت میری بخیر ہی غیب کا علم نہیں۔ جو لوگ
اردت ولا اعلم الغیب وسیعلم	ظلم کرینگے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا
الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون	کھائیں گے۔ اور تم پر سلام اور اللہ کی رحمت
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	اور برکتیں

اس عہدنامہ کی تحریر و تشہیر کے بعد ایک شخص نے آکر حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم نے عمر کو ولی عہد مقرر کیا ہی حالانکہ تم دیکھتے تھے کہ وہ لوگوں سے تمھارے سامنے کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ اُس وقت کیا ہوگا جب وہ تنہا رہ جائینگے۔ تم اپنے رب کے پاس جا رہے ہو۔ تم سے رعیت کی بابت سوال کریگا۔ حضرت صدیق اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ یہ کلام سُن کر کہا مجھ کو بٹھا دو۔ بیٹھ گئے تو کہا:۔

ابا اللہ تخوفنی اذا لقیت اللہ قلت	کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو میں جس وقت اللہ
استخلفت علی اھلک خیر	کے سامنے جاؤنگا تو کہونگا کہ میں تیری اُمت سے بہتر
اھلک	بندہ کو اپنا جانشین مقرر کرآیا ہوں

اِس کے بعد حضرت عمر کو تخلیہ میں طلب کیا اور جو سمجھانا تھا وہ سمجھایا۔ پھر ہاتھ اُٹھاکر دعا کی۔

اللھم انی لم ارد بذلک الا اصلاحھم	اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے
وخفت علیھم الفتنۃ فعلمت فیھم	ارادے سے کیا ہی اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فساد
بما انت اعلم بہ واجتھدت لھم رأیا	نہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہی جس کو تو بہتر جانتا ہی۔ میں نے
ولیت علیھم خیرھم واقویھم واحرصھم	خوب غور و فکر کے بعد رائے قایم کی ہی بہترین اور قوی
علی ما ارشدھم وقد حضرنی من امرک	ترین شخص کو ولی عہد کیا ہی جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی

ما حضرنا فاخلفنی فیہم فہم عبادك	راستی کا خواہشمند ہی۔ میرے لئے تو کوچ کا حکم آچکا
ونواصیہم بیدك اصلح الیہم ولاتہم	اب میں اُن کو تیری سپرد کرتا ہوں ۔ تیرے بندے ہیں اور
واجعلہ من خلفاءك الراشدین	اُن کی باگ تیرے ہاتھ میں ہی۔ اے اللہ ان کے حاکموں کو
واصلح لہٗ رعیتہٗ	صلاحیت دے، اور ولی عہد کو خلفائے راشدین کے
	زمرہ سے کر اور اُس کی رعیت کو صلاحیت بخش

یہ اوپر بیان ہو چکا ہی کہ روانگی شام کے وقت حضرت خالد عراق کی امارت مثنےبن حارثہ کے سپرد کر گئے تھے۔ اُن کی روانگی کے بعد اُدھر کسریٰ نے تازہ دم فوجیں بھیجیں اُدھر حضرت ابوبکر کی علالت کے سبب مدینہ سے مراسلت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت مثنےٰ نے متردد ہو کر بشیر کو اپنا نائب کیا اور خود مدینہ آپہونچے۔ جس دن وہ پہونچے حضرت ابوبکر کی حیات کا آخری دن تھا تاہم حالات مفصّل سُنے اور خطرہ کا اندازہ کر کے حضرت عمر کو بُلایا اور کہا کہ جو میں کہتا ہوں اُس کو سنو اور اُس پر عمل کرو۔ مجھ کو توقع ہی کہ آج میری زندگی ختم ہو جائیگی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صُبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کسی مصیبت کی وجہ سے تم کو دین کی خدمت اور حکم ربّانی کی تعمیل سے نہ رُکنا چاہیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کون سی مُصیبت ہو سکتی ہی۔ تم نے دیکھا ہی کہ اُس روز میں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہی رب کی اگر میں اُس روز حکم الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر خدا تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیجدینا اس لئے کہ وہ کارآزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہی۔ ایک روز دوران مرض میں دریافت کیا کہ مجھ کو

بیت المال سے کل وظیفہ اب تک کس قدر ملا ہے حساب کیا گیا تو چھ ہزار درہم ہوئے (پندرہ سو روپیہ تخمیناً) - ہدایت کی کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے بیت المال کا روپیہ واپس دیدیا جائے - چنانچہ وہ زمین بیچ کر روپیہ واپس دیدیا گیا - یہ بھی تحقیقات کی کہ بعیت کے بعد میرے مال میں کیا اضافہ ہوا - معلوم ہوا کہ ایک حبشی غلام ہے جو بچوں کو کھلاتا ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے - ایک اونٹنی ہے جس پر پانی آتا ہے اور ایک سوا روپیہ کی چادر - وصیت کی کہ وفات کے بعد یہ سب چیزیں خلیفۂ وقت کے پاس پہونچا دی جائیں رحلت کے بعد جب یہ چیزیں حضرت فاروق کے سامنے آئیں تو روئے اور کہا اے ابوبکر تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کر گئے - قریب وفات حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا تھا - کہا تین پارچہ کا - وصیت کی کہ میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں - دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں - ایک کپڑا نیا لے لیا جائے - ام المومنین نے کہا کہ ابا جان ہم تم سے تنگدست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں - جواب میں فرمایا کہ جانِ پدر نئے کپڑے بمقابلہ مردوں کے زندوں کے لیئے زیادہ موزوں ہیں - کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہے - انتقال کے روز دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس روز رحلت کی تھی لوگوں نے کہا دوشنبہ کو - سن کر کہا کہ مجھ کو امید ہے میری موت بھی آج ہی ہو - وصیت کی کہ میری قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بنائی جاوے - عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں تھا حضرت عائشہ نے حسرت سے یہ شعر پڑھا :-

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ربیع الیتامی عصمۃ للارامل

وہ نورانی صورت جس کے چہرہ کی تازگی سے بادل سیراب ہو یتیموں پر شفیق بیواؤں کی پناہ ہے

آنکھیں کھول دیں اور کہا یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آخر کلام یہ تھا۔

رب توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین اے رب تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحوں سے ملا

۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گزرنے پر عشا و مغرب کے درمیان وفات پائی

نمازِ جنازہ کی امامت حضرت عمر نے کی اور اسی شب کو حضرت عائشہ کے حجرہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب اس طرح دفن کیے گئے کہ ان کا سر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ کے برابر رہا۔ رضی اللہ عنہ

عمر ۶۳ سال کی تھی ایام خلافت دو برس تین مہینے گیارہ دن۔

ذاتی حالات قبول اسلام کے وقت مالی سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ تجارت ذریعۂ معاش تھی۔ اس سرمایہ کو خدمتِ اسلام میں صرف کرتے رہے جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلے تو پانچ ہزار درھم باقی تھے۔ سب ساتھ لے آئے اور مدینہ میں تجارت اور مالی خدمتِ اسلام کا شغل جاری رہا۔ وفات کے وقت نقد ایک حبہ نہ تھا۔ خلافت کے بعد بھی شغل تجارت قائم رہا۔ روزانہ چادریں اپنے کندھے پر لاد کر بازار کو لے جاتے اور خرید و فروخت کرتے۔ چھ مہینے تک یہی عمل رہا۔ جب مشاغل خلافت بڑھے اور فرصت مفقود ہوئی تو صحابہ کو جمع کیا اور کہا کہ خلافت کے کاروبار اب تجارت کی مہلت نہیں دیتے اور میں اہل وعیال کی پرورش کا سامان مہیا نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر صحابۂ کرام نے اُن کے مصارف خزانہ سے مقرر کر دیئے۔ بعد غور معیار مصارف مدینہ کے ایک مہاجر کا خرچ رکھا گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مقدار وظیفہ کی کیا تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ آدھی بکری کا گوشت روزانہ۔ معمولی لباس۔ شرط یہ تھی کہ پرانا لباس بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ بعض نے نقد وظیفہ کا تقرر لکھا ہے۔ نقدی کی مقدار باختلاف روایت

ڈھائی ہزار درہم سالانہ سے چھ ہزار درہم تک بتائی گئی ہے۔ میں کم وبیش ڈھائی ہزار کو ترجیح دیتا ہوں۔ وجہ یہ کہ وفات کے وقت جو حساب وظیفہ کا کیا گیا اُس کے بموجب کچھ اوپر سوا دو سال کا وظیفہ چھ ہزار درہم ہوا۔ خلافت سے پہلے سنح میں رہتے تھے وہیں اُن کی بی بی حضرت حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ کی سکونت تھی۔ ایک کمل کا حجرہ (چھوٹا خیمہ یا راوٹی) مکان کی بساط صرف اس قدر تھی۔ چھ مہینے تک زمانۂ خلافت میں بھی اُسی میں قیام رہا۔ جس روز وہاں جانے کی باری ہوتی جاتے اکثر پیدل کبھی اپنے ذاتی گھوڑے پر۔ عشا کے بعد جاتے صبح کو واپس آجاتے۔ خلافت سے پہلے محلّہ کی لڑکیاں اُن کے پاس بکریاں لاتیں اور وہ دودھ دوھ دیتے۔ جب خلیفہ ہو کر محلّے میں گئے تو لڑکیوں نے دیکھ کر کہا اب یہ دودھ نہیں دوہینگے۔ سُن کر کہا ضرور دوہونگا۔ مجھ کو خدا کی ذات سے اُمیّد ہے کہ اس منصب سے میری کسی عادت میں فرق نہیں آئیگا۔ چنانچہ جب محلہ میں آتے تو دریافت کرتے دودھ دوہ دوں یا بکریاں چرا لاؤں جیسا لڑکیاں کہہ دیتیں اُس کے مُطابق تعمیل کرتے۔ خود اُن کی بکریاں بھی تھیں۔ کبھی کبھی اُن کو بھی لے جا کر چراتے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب محلّے میں نکلتے تو بچے بابا بابا کہہ کر دوڑتے اور آکر لپٹ جاتے۔ جمعہ کے دن صُبح کو سُنح میں ٹھہر کر سر اور داڑھی میں سُرخ خضاب لگاتے غسل کرتے کپڑے بدل کر مدینہ آتے اور نمازِ جمعہ پڑھاتے چھ مہینے کے بعد سُنح کی سکونت ترک کر کے مدینہ کے مکان میں متصل مسجدِ نبوی سکونت اختیار کی۔ اُن بزرگوں کی روزانہ زندگی کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے:۔

ایک روز حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ۔ میں نے۔ جنازہ کے ساتھ کون گیا۔

حضرت ابو بکرؓ۔ میں۔ محتاج کو کھانا کس نے کھلایا۔ حضرت ابو بکرؓ۔ میں نے۔ بیمار کی عیادت کس نے کی۔ حضرت ابو بکرؓ۔ میں نے۔ سن کر ارشاد ہوا کہ یہ اوصاف جس میں جمع ہونگے وہ جنتی ہے۔

مدینہ کے کنارہ پر ایک بوڑھیا اندھی محتاج رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ اُس کے یہاں اس ارادہ سے جاتے کہ کچھ خدمت کریں۔ مگر جب پہونچتے تو معلوم ہوتا کہ کوئی آدمی اُن سے پہلے آکر خدمت کر گیا۔ ایک روز دروازے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ وقتِ مقرر پر وہ شخص آیا دیکھا تو حضرت ابو بکرؓ تھے۔ یہ خلافت کا زمانہ تھا۔ مقررہ وظیفہ کے خرچ میں کس قدر احتیاط تھی اُس کا اندازہ اس واقعے سے کیجئے۔

ایک روز اُن کی ایک بی بی نے شیرینی کی فرمایش کی۔ جواب دیا میرے پاس کچھ نہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کر لوں۔ فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ کو دئیے کہ شیرینی لادو۔ پیسے لے کر کہا۔ معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں۔ لہذا بیت المال کا حق ہیں۔ چنانچہ وہ پیسے خزانے میں جمع کرا دئیے اور اُسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔ مُنھ پر کوئی تعریف کرتا تو کہتے اے اللہ تو میرا حال مجھ سے بہتر جانتا ہے اور تعریف کرنے والوں سے میں اپنا حال بہتر جانتا ہوں جو اُن کا گمان میری نسبت ہے اُس سے اچھا مجھ کو کر دے اور میرے وہ گناہ بخش دے جن کو یہ نہیں جانتے اور جو یہ کہتے ہیں اُس کا مواخذہ مجھ سے مت کیجیو۔ اپنا سب کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ دوسروں سے کام لینے سے سخت احتراز تھا۔ انتہا یہ کہ اونٹ کی سواری میں نکیل ہاتھ سے گر پڑتی تو خود اُتر کر نکیل اٹھاتے۔ ایک بار لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سے کیوں نہیں کہتے۔ جواب دیا کہ:-

ان حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ کو حکم ہے کہ انسان
ان لا اسئل الناس شیئاً سے میں کچھ نہ مانگوں

حلیہ :-

رجل ابیض نحیف خفیف احنی گورے چٹے دبلے پتلے آدمی تھے کمر جھکی ہوئی تھی۔
لا یستمسک ازارہ یسترخی تہمد کمر پر نہیں رک سکتا تھا نیچے کو کھسک جاتا۔ چہرہ
عن حقویہ معروق الوجہ غائر العینین ستا ہوا آنکھیں بیٹھی ہوئیں۔ پیشانی بلند انگلیوں
ناتی الجبہۃ عاری الاشاجع حسن القامۃ کے جوڑ گوشت سے خالی قد موزوں

امام زہری کا قول ہے کہ بال گھونگروالے تھے۔ آواز دردناک تھی بات بہت کم کرتے تھے جو کہتے سنجیدہ کہتے انداز کلام ذوق و محویت کی شان لیے ہوئے تھا۔ قلب نہایت رقیق و نرم تھا اسی لیے اوّاہ لقب تھا۔ سخی باوقار حلیم و شجاع تھے۔ رائے نہایت سدید و صائب تھی۔ اُس کا جوہر وہ نورِ ایمانی تھا جس کا نام اصطلاح شرع میں فراست مومن ہے

شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں (خلاصۃً) "حضرت ابوبکر علم کتاب و سنت میں مثل دیگر علمائے صحابہؓ تھے۔ جس صفت میں سب سے ممتاز تھے وہ یہ تھی کہ جب کوئی مشکل مسئالہ یا مشورہ پیش آتا وہ اپنی فراست کو اُس پر غور کرنے میں صرف کرتے۔ خداوند تعالیٰ غیب سے ایک شعاع اُن کے دل پر ڈالتا جس سے حقیقت حال روشن ہوجاتی۔ اس شعاع کا ظہور لطیفۂ قلبیہ سے ہوتا۔ لہٰذا حقیقت حال بصورت عزیمت ظاہر ہوتی نہ برنگ تخیل"

اُصولِ حکومت بنیاد حکومت قرآن و حدیث تھی جب کوئی معاملہ پیش آتا اوّل قرآن کی طرف رجوع کرتے اگر کلام مجید میں نہ ملتا حدیث کی طرف توجہ کرتے اگر خود حدیث نہ معلوم

ہوتی مجمع میں آکر دریافت کرتے کہ فلاں معاملہ میں کسی کو حدیث یاد ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بہت سے آدمیوں کو حدیث معلوم ہوتی۔ اِس پر شکر کرتے کہ میری مدد کے واسطے اس قدر سنّتِ رسول کے جاننے والے موجود ہیں۔ جب حدیث بھی نہ ملتی۔ تو صحابہ میں جو اہل الرائے اور منتخب بزرگ تھے اُن کو جمع کرکے مشورہ کرتے جس رائے پر اجماع ہوجاتا اُسی پر کاربند ہوتے اسلام نے جو مساوات کی روح پھونکی تھی اُس کو آخر عہد تک نہایت اہتمام سے قایم رکھنے کی کوشش کی۔ بیت المال کی آمدنی مساوی طور پر تقسیم کی جاتی تھی۔ اُس میں جوان بوڑھے مرد یا عورت کا کچھ امتیاز نہ تھا۔ اُن کا قول تھا:۔

لا یحقرن احدکم احداً من المسلمین فان — تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے اس لیئے

صغیر المسلمین عند اللہ اکبر — کہ چھوٹا سا مسلمان دبھی، اللہ کے نزدیک بڑا ہے

ایک مرتبہ مجمع میں بیٹھے تھے ایک شخص نے آکر کہا "السلام علیکم یا خلیفۃ رسول اللہ" سن کر کہا تمام مجمع میں خصوصیت کے ساتھ مجھ کو سلام کیوں کیا؟ خلافت کے بعد جب اوّل مرتبہ اداے عمرہ کے واسطے مکہ گئے تو لوگ اُن کے پیچھے پیچھے چلنے لگے سب کو علیحدہ کردیا اور کہا اپنی اپنی راہ چلو۔ شانِ تکبّر سے ہمیشہ احتراز رکھا۔ ایک مرتبہ ایک فاتح امیر نے نامۂ فتح کے ساتھ دشمن کا سر بھیجا تو بہت ناخوش ہوئے۔ لانے والے نے عذر کیا کہ ہمارے دشمنوں کا یہی طرزِ عمل ہے۔ فرمایا کہ ہم روم و فارس کے مقلّد نہیں۔ اس کے بعد عام ہدایت جاری کردی کہ آیندہ صرف فتح کی خبر بھیجی جائے دشمن کا سر نہ بھیجا جائے۔ عمّال کی بابت یہ اُصول تھا کہ جو عامل حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تھے وہ بدستور قایم و برقرار رہے۔ سادگی اسلام کو ہمیشہ اپنا شعار رکھا۔ اُس سادگی و وقار پر ہزار تکلّف اور شان و شوکت نثار تھے۔ اہلِ ارتداد کے

مقابلے سے جب اسلام کے لشکر لوٹے تو اُن کے ہمراہ ذوالکلاع حمیری بھی یمن سے آئے یہ اُس شاہی خاندانِ حمیر کی یادگار تھے جو مدتوں یمن پر جاہ وجلال کے ساتھ فرمانروا رہ چکا تھا شاہی خاندان کے دَورِ آخر کے تکلفات وناز ونعمت کا پورا جلوہ ذوالکلاع میں نظر آتا تھا سر پر جواہر نگار تاج تھا۔ بدن میں زریں پوشاک۔ طلائی پیٹی کمر میں۔ ہمراہی بھی زرق برق لباس میں تھے۔ مدینہ آکر خلیفہ کو دیکھا تو گیروا چادریں۔ ایک باندھے ایک اوڑھے۔ اسلامی وقار وتمکین کا رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ ذوالکلاع نے لباسِ شاہی چھوڑ کر دلق درویشی اختیار کر لی۔ ایک روز مدینہ کے بازار میں نکلے تو کمر سے چمڑے کی معمولی پیٹی بندھی تھی۔ ایک ہمراہی نے دیکھ کر حسرت سے کہا کہ یہ کیا شکل بنا لی۔ جواب دیا کہ اسلامی اثر سے لایعنی تکلفات بے لطف ہو گئے۔

عمال وکاتب حضرت ابوعبیدہ بن الجراح خزانہ کے مہتمم تھے اور جزیہ کے آمدنی کا حساب اُن کی سپرد تھا۔ بیعت کے بعد اُنھوں نے کہا کہ مال کا کام خلیفہ کی طرف سے میں انجام دوں گا۔ خزانہ جب تک حضرت ابوبکر سُنح میں رہے وہاں رہا۔ قفل پڑا رہتا تھا پہرہ نہ تھا لوگوں نے کہا کہ پہرہ رکھیئے تو جواب دیا قفل کافی ہی۔ جب مدینہ کی سکونت اختیار کی تو خزانہ مدینہ چلا آیا۔ قاضی حضرت عمر تھے۔ اُس عہد کی صفائی معاملات کا یہ عالم تھا کہ ایک سال تک ایک مدعی بھی حضرت عمر کے سامنے نہ آیا۔ کاتب حضرت زید بن ثابت حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت عثمان تھے۔ معمولی خط کتابت کا کام جو حاضر ہوتا اُس سے لے لیا جاتا یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اُس زمانے میں ان خدمات کا معاوضہ لینا سخت بُرا سمجھا جاتا تھا۔ جو کام کرتے محض حسبۃً للہ۔

عُمّال

مقام حکومت	نام عامل
مکّہ (حجاز)	عتاب بن اُسید
طائف "	عثمان بن ابی العاص
صنعاء (یمن)	مہاجر
حضرموت "	زیاد بن لبید انصاری
خولان "	یعلی بن منیہ
زبید و رمع (یمن)	حضرت ابو موسیٰ اشعری
جند "	حضرت معاذ بن جبل
بحرین "	علاء حضرمی
نجران "	جریر بن عبداللہ
دومۃ الجندل (عراق)	عیاض بن الغنم
عراق	مثنی بن حارثہ
ثور (بلاد مزنیہ)	جرشس

علمی کمالات و علمی خدمات

قرآن۔ قرآن شریف بطور وحی تیئس برس تک تھوڑا تھوڑا حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ بہت سے صحابۂ کرام ایسے تھے جن کو کلامِ مجید پورا حفظ تھا۔ نہایت کثرت سے ایسے جن کو مختلف حصّے یاد تھے۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کاتبانِ وحی میں سے کسی کو طلب فرماتے اور لکھوا دیتے۔ حضرت زید بن ثابت کو یہ سعادت اکثر حاصل ہوتی۔ کاغذ نایاب تھا اس لیئے علاوہ کاغذ کے وحی چمڑے کے ٹکڑوں کھجور کی چھال بکری کے شانے کی ہڈی سپید پتھر کے ٹکڑوں پر بھی لکھی جاتی اور یہ لکھے ہوئے اجزا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محفوظ رہتے ہے

عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد

یمامہ کے پر شر معرکہ سے یہ نتیجۂ خیر نکلا کہ کلام مجید ایک جگہ تحریر ہو کر بشکلِ کتاب محفوظ ہو گیا۔ اوپر سُن چکے ہو کہ معرکۂ مذکور میں کس کثرت سے مہاجرین و انصار شہید ہوئے۔ اُن میں کثرت سے ایسے تھے جو کُل یا جز قرآن کے حافظ (قراء) تھے۔ حضرت عمر نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت ابو بکر سے کہا کہ مسلمانوں کو ابھی بہت سے معرکے سر کرنے ہیں اگر ہر معرکے میں اسی کثرت سے حفاظ شہید ہوئے تو قرآن کا خدا حافظ ہے آپ حکم دیجئے کہ کلام مجید ایک جگہ ضبط تحریر میں آجاوے۔ اوّل حضرت صدیق نے اس بنا پر تامل کیا کہ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا کس طرح کریں۔ مگر بحث کے بعد حضرت ابو بکر پر منکشف ہو گیا کہ حضرت عمر کی رائے صحیح ہے۔ حضرت زید بن ثابت کو طلب کر کے اوّل اپنی اور حضرت عمر کی گفتگو کا اعادہ کیا پھر کہا تم جوان ذی ہوش ہو کوئی الزام تم پر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وحی لکھا بھی کرتے تھے

لہذا تم کلام مجید لکھ کر ایک جگہ جمع کردو ۔ اوّل حضرت زید بن ثابت کو بھی وہی تامل ہوا جو حضرت صدیق کو ہوا تھا ۔ لیکن مباحثہ کے بعد اطمینان ہو گیا ۔ اور انھوں نے خدمت قبول کی ۔ حضرت زید کا مقولہ ہے کہ اگر پہاڑ کو اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دینا میری سپرد کیا جاتا تو وہ آسان ہوتا بمقابلہ اس کے کہ جمع قرآن کا بوجھ میرے سر پر رکھا گیا ۔ اس سے اُس احساس کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت زید بن ثابت کو خدمت مفوضہ کی ذمہ داری کا تھا ۔ کاشانۂ نبوت سے تحریر شدہ اجزا برآمد کیے گئے ۔ مزید احتیاط و غایت اہتمام صحت کے لحاظ سے حضرت زید بن ثابت اُن اجزا کا مقابلہ بار بار اُن صحابہ سے کرتے جن کو تمام و کمال کلام مجید یاد تھا اور جب کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہتا تب کاغذ پر نقل کرتے ۔ غرض بڑی جانفشانی و تحقیق کے ساتھ حضرت زید بن ثابت نے تمام کلام مجید کاغذ پر لکھ کر ایک جگہ جمع کر دیا ۔ حضرت ابوبکر نے اُس کا نام مصحف رکھا ۔ یہ نسخہ خاص حضرت ابوبکر کی تحویل میں رہا ۔ حضرت ابوبکر خود بھی حافظ قرآن تھے ۔ اور حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کاتبانِ وحی کے زمرہ میں شامل ۔ لکھنا اُس زمانہ میں اس قدر کمیاب تھا کہ قریش کے اتنے بڑے قبیلے میں بقول علّامہ بلاذری آغازِ اسلام میں صرف سترہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا ۔ زمانۂ خلافت میں جو اشکال معانی کلام مجید کے متعلق پیش آیا اس کو حل کیا ۔

حدیث ۔ متعدد احادیث ایسی ہیں جو حضرت ابوبکر کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوئیں ۔ اِس طرح وہ اُن کے عالم وجود میں آنے کے باعث ہوئے ۔ ایک سو بیالیس ۱۴۲ حدیثیں بہ روایت حضرت صدیق مروی ہیں ان کو امام سیوطی نے تاریخ الخلفا میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے ۔ قلت روایت کے اسباب شاہ ولی اللہ صاحب یہ لکھتے ہیں کہ آں حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت کم زندہ رہے۔ وہ تھوڑا زمانہ بھی اور قسم کی مہمات کے طے کرنے میں گزر گیا۔ اُن کے معاصر قریباً سب صحابہ تھے جو خود عالم حدیث و روایت حدیث سے مستغنی تھے۔ تابعین بہت ہی کم تھے۔ واقعات بھی زیادہ پیش نہیں آئے۔ باوجود قلت روایت کے اہمات مسائل میں حضرت ابوبکر کی روایتیں سند ہیں۔ مثلاً طریقۂ نماز حضرت ابوبکر سے ابن زبیر نے حاصل کیا اُن سے امام عطا نے اُن سے ابن الجریح نے۔ ابن الجریح کی نسبت یہ قول ہے کہ اُن کے زمانہ میں اُن سے بہتر نماز کا ادا کرنے والا نہ تھا۔ اہلِ مکہ ادائے نماز میں طریقۂ صدیقیہ کے پابند تھے۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ مستند روایت حضرت صدیق کی ہے۔

فقہ۔ فقہ کے متعلق اجتہاد کا قاعدہ مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستور العمل بن گیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "وے رضی اللہ عنہ شیخ و اُستاد جمیع مجتہدین شد بوضع ایں قاعدہ" فقہ کے جو مشکل مسائل پیش آئے اُن کو حل کیا۔ مثلاً میراث جدہ۔ میراث جد تفسیر کلالہ۔ حد شرب خمر۔ مہم شام کی روانگی کے وقت جو احکام اُمرا لشکر کو دیئے وہ صدیوں تک اُمرائے اسلام کا دستور العمل رہے۔

تعبیر رویا۔ یہ بھی ایک علم آلہی ہے جس کا ادراک جدید روشنی میں مشکل ہے۔ وجہ یہ کہ جو لوگ نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھا سکتے وہ نور و صفائی باطن سے محروم ہیں جس کی ضرورت اس فن کے لیئے ہے۔ بہرحال فنِ تعبیر کے امام ابن سیرین کا قول ہے

کان ابوبکر اعبر ھذہ الامۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم — آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں ابوبکر فن تعبیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے

تصوف۔ سب سے اوّل تصفیہ و تزکیۂ باطن کے واسطے کلمۂ طیبہ کا طریقہ ذکر حضرت الکبر

نے تلقین کیا۔ حضرت جنید کا قول ہے کہ توحید میں بزرگ تر کلام حضرت ابوبکر صدیق کا یہ مقولہ ہے
سبحان من لم یجعل لخلقہ سبیلاً — پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لیے سوائے
الا بالعجز — عجز کے کوئی رستہ نہیں بنایا
کشف المحجوب میں ہے طریقہ تصوف کے امام ابوبکر ہیں انقطاع عن الاغیار جو جان تصوف
ہے ان کے اس خطبے سے عیاں ہے الا من کان یعبد محمداً الخ محبت دنیا سے پاک و
صاف ہونے کا شاید غزوہ تبوک کا وہ واقعہ ہے ما خلفت لعیالک - قال اللہ و رسولہ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے۔ کہا اللہ اور
اس کا رسول۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تصوف صدیقی کے ذیل میں حضرت صدیق اکبر
کے ان تمام اوصاف کی تفصیل کی ہے جو اساس تصوف ہیں۔ مثلاً توکل، احتیاط، تواضع
خدا کی مخلوق پر شفقت رضا۔ خوف الٰہی۔ جو صاحب شائق تفصیل ہوں ازالۃ الخفا دیکھیں۔ ہم
مضمون کے عام فہم نہ ہونے کے سبب زیادہ تفصیل سے نہیں لکھتے۔ صرف خوف الٰہی کی ایک
مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے ایک روز درخت پر ایک چڑیا دیکھی تو حسرت
سے کہا :-

طوبیٰ لک یا طیر تاکل من شجرۃ و — اے پرندے خوش حال ہے تو پھل کھاتا ہے۔ درخت
تستظل من شجرۃ و تصیر الی غیر حساب — کے سایہ میں بسر کرتا ہے حساب کتاب کا کچھ کھٹکا نہیں
یا لیت ابا بکر مثلک — کاش ابوبکر تجھ سا ہوتا

نماز میں خشیت الٰہی کا یہ عالم ہوتا کہ ایک چوب خشک کی طرح کھڑے ہوتے۔ طریقہ نقشبندیہ
جو آج تک عالم میں فیض رساں ہے اس کا سلسلہ بواسطۂ حضرت امام جعفر صادق حضرت
ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔

عقائد۔ عقائد کے متعلق حضرت ابو بکر نے سب سے اوّل توحید و رسالت کا امتیاز علی الاعلان اُس وقت ظاہر کیا جب کہ خود صحابۂ کرام متحیر تھے یعنی بعد وفات حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُس موقع کا خطبہ قیامت تک یادگار رہیگا۔ بعد بیعت رسالت و خلافت کے حدود صاف صاف علیحدہ قایم کر دیئے۔ خلیفہ ہونے کے بعد ایک خطبہ خاص اس بحث کے متعلق دیا۔ اُس میں بوضاحت بیان کیا کہ دو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں وہ مجھ سے طلب نہ کرنا ایک وحی۔ دوسری عصمت اس کو اس کثرت کے ساتھ خطبوں میں ظاہر کیا کہ سامعین کے ذہن میں راسخ ہو گیا۔ علاوہ خطبوں کے اور مواقع پر بھی اس کا لحاظ اہتمام کے ساتھ رکھا۔ کسی نے اُن سے کہا خلیفۃ اللہ تو کہا

انا خلیفۃ رسول اللہ وانا بہ راض میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اسی سے خوش ہوں

ایک بار کسی پر غصے ہو رہے تھے ایک شخص نے کہا حکم ہو تو اُس کی گردن اُڑا دوں۔ فوراً کہا کہ یہ رتبہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ واقعات وفات میں پڑھ چکے ہو کہ شدت سکرات میں جب ایک مدحیہ شعر اُن کی شان میں پڑھا گیا تو آنکھیں کھول کر کہہ دیا کہ یہ شان رسول اللہ کی تھی۔ زکوٰۃ اور نماز میں جو تفریق قایم کرنے کی کوشش کی گئی اُس کو آغاز خلافت میں کس شدت سے روکا۔

علم انساب۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ آج انساب قریش کے متعلق جس قدر علم ہے وہ بروایت زبیر بن بکّار محفوظ ہے۔ اُنھوں نے مصعب زبیری سے حاصل کیا۔ مصعب نے بہ یک واسطہ مطعم بن جبیر سے مطعم نے حضرت ابو بکر سے۔

بلاغتِ خطب۔ مورّخین کا قول ہے کہ صحابۂ کرام میں فصاحت خطبہ میں دو صحابی سب سے ممتاز تھے ایک حضرت ابو بکر دوسرے حضرت علی مرتضیٰ۔

بعض مقولے :-

لا یحقرن احد کم احداً من المسلمین فان	تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر خیال نہ کرے
صغیر المسلمین عند اللہ اکبر	اس لیے کہ چھوٹا سا مسلمان بھی خدا کے نزدیک بڑا ہے
وجدنا الکرم فی التقوی والغناء	ہم نے بزرگی تقویٰ میں۔ بے نیازی یقین میں
فی الیقین والشرف فی التواضع	اور عزت تواضع میں دیکھی

ایک خطبے میں حدیث کے یہ الفاظ بیان کیے تھے جو آج کل ہر مسلمان کا دستور العمل بننے چاہئیں۔

ولا تقاطعوا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا	باہم قطع تعلق مت کرو بغض نہ رکھو حسد مت کرو اور
وکونوا عباد اللہ اخواناً کما امرکم	اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ جیسا کہ تم کو حکم ہے

حضرت خالد بن ولید کو ایک موقع پر نصیحت کی :-

فر من الشرف یتبعک الشرف واحرص	جاہ و عزت سے بھاگو عزت تمھارے پیچھے پھرے گی
علی الموت توھب لک الحیوٰۃ	موت پر دلیر رہو تم کو زندگی بخشی جائیگی

محبت رسول حضرت صدیق اکبر محبت رسول میں غرق تھے۔ حضرت عروہ نے روایت کی ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دوسرے سال حضرت ابوبکر نے ایک روز خطبہ دیا اُس میں یہ الفاظ زبان سے نکلے :-

انی سمعت نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم	یعنی میں نے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
عاما لاول	پارسال سنا ہے

پارسال کے لفظ سے حادثۂ وفات یاد آگیا بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بے تاب ہو گئے۔ سنبھل کر پھر خطبہ کا سلسلہ درست کیا پھر ان الفاظ سے دل پر چوٹ لگی

اور مضطرب ہو گئے۔ تیسری دفعہ ضبط کی کوشش کی اور خطبہ ختم کیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انا حضرت ام ایمن کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے بعد خلافت حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز حضرت عمرؓ سے کہا:۔

انطلق بنا الی ام ایمن نزورها کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورها — چلو سنت نبوی کی پیروی کریں اور ام ایمن سے چل کر ملیں

وہاں پہونچے تو وہ رونے لگیں۔ دونوں نے کہا روتی کیوں ہو اللہ کا تقرب اس کے رسول کے واسطے بہتر ہی۔ کہا یہ میں بھی جانتی ہوں۔ صدمہ اس کا ہی کہ وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ سن کر دونوں صاحب رونے لگے۔ امام سیوطی نے لکھا ہی کہ حضرت ابوبکر کا اصلی سبب وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تھی۔ اس صدمے سے گھلتے رہے یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔

ازدواج و اولاد حضرت ابوبکر نے چار شادیاں کیں۔ دو زمانہ جاہلیت میں دو بعد اسلام ایام جاہلیت کی بی بیاں قتیلہ اور ام رومان تھیں۔ قتیلہ قبیلۂ بنی عامر سے تھیں۔ اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں۔ ام رومان مالک بن کنانہ کی اولاد سے تھیں۔ اسلام لائیں ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر ان کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے چند روز کے بعد مدینہ بلا لیا ذی حجہ سنہ ۶ ہجری میں بمقام مدینہ رحلت کی۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے دفن کیا۔ زمانہ اسلام میں ایک شادی ام رومان کی وفات کے بعد اسماء بنت عمیس سے سنہ ۸ ہجری میں کی۔ دوسری شادی حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ سے حضرت ابوبکر کی وفات کے وقت یہ دونوں بی بیاں زندہ تھیں۔ اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ اولاد میں سب سے بڑے حضرت عبدالرحمن ام رومان کے بطن سے ۵۳ھ میں وفات پائی۔ دوسرے لڑکے

عبداللہ قتیلہ کے بطن سے غزوۂ طائف میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب شریک تھے تیر کا زخم پاؤں میں لگا اُس کے صدمہ سے شوال ۱۱ھ میں انتقال ہوا۔ تیسرے لڑکے محمد ہیں۔ یہ مدینہ میں پیدا ہوئے اُن کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں۔ قاسم اُن کے صاحبزادے تھے۔ جو فقہاء سبعہ میں ہیں۔ لڑکیوں میں سب سے بڑی حضرت اسماء تھیں۔ اُن کی والدہ قتیلہ۔ حضرت زبیر کے ساتھ شادی ہوئی۔ سترہ آدمیوں کے بعد دائرۂ اسلام میں شامل ہوئیں۔ دوسری لڑکی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت عبدالرحمٰن کی حقیقی بہن تمام ازواج مطہرات میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھیں۔ اُن کا علم و فضل مسلّم ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ جو آٹھ بزرگ صحابۂ کرام میں اجتہاد و فقہ میں ممتاز تھے اُن میں حضرت عائشہ بھی تھیں۔ تیسری لڑکی اُم کلثوم ہیں۔ ان کی والدہ بنت خارجہ اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ لڑکوں میں سلسلۂ نسل حضرت عبدالرحمٰن اور محمد سے چلا حضرت عبداللہ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

باب سوم[1]

فضائل

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس تیرہ سو برس کے عرصے میں کتنی کروڑ مرتبہ خطیبوں نے بر سر منبر حضرت ابوبکر کے "افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق" ہونے کا اعلان کیا ہے اور اس طرح اُن کی فضیلت کی سچی شہادت علیٰ رؤس الاشہاد ادا کی ہے۔ آج بھی چار دانگ عالم میں

[1] نوٹ صفحہ ۱۱۳ پر

جہاں جہاں اہلِ حق ہیں یہ پُر عظمت صدا ہر جمعہ کو لاکھوں منبروں پر بلند ہوتی ہے۔

فضائلِ صدیقی کی بنیاد تین شہادتوں پر ہے (۱) آیاتِ کلام مجید (۲) احادیث نبوی اور (۳) اقوالِ صحابۂ کرام و اہلِ بیت اطہار و سلفِ صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اِسی ترتیب سے ہم فضائل بیان کرتے ہیں۔

آیاتِ کلامِ مجید (۱) واللیل اذا یغشیٰ ۝ والنہار اذا تجلّیٰ ۝ وما خلق الذکر والانثیٰ ۝ انّ سعیکم لشتّیٰ ۝ فامّا من اعطیٰ واتقیٰ ۝ وصدّق بالحسنیٰ فسنیسّرہٗ للیسریٰ ۝

قسم رات کی جب ڈھانک لے اور دن کی جب روشن ہو، نر اور مادہ پیدا کرنے کی ضرور تمہاری کوشش قسم قسم کی ہے۔ جس نے دیا اور پرہیزگار ہوا اور سچ مانا اچھی بات کو۔ تو ہم اُس کو آہستہ آہستہ آسانی میں پہونچا دینگے۔

وسیجنبہا الاتقیٰ ۝ الذی یؤتی مالہ یتزکّیٰ ۝ وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ ۝ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ ۝ ولسوف یرضیٰ ۝

اور سب سے زیادہ پرہیزگار جہنم کی آگ سے بچایا جائیگا جو دیتا ہے اپنا مال تزکیۂ باطن کے لئے اور نہیں اُس پر کسی کا احسان جس کا بدلہ دیا جائے مگر اپنے ربِ اعلیٰ کی خوشنودی کے واسطے دیتا ہے اور وہ ضرور آئندہ خوش ہوگا۔

مفسّرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے راہِ خدا میں حضرت بلال وغیرہ کو (جو اسلام لانے کی وجہ سے اپنے کافر آقاؤں کے پنجۂ عذاب میں گرفتار تھے) خرید خرید کر آزاد کیا تو ایک روز اُن کے والد ابو قحافہ نے کہا کہ جانِ پدر۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور

(نوٹ صفحہ ۱۱۲) ۱؎ اس باب کا ماخذ کتبِ ذیل ہیں:۔

(۱) تاریخ الخلفاء امام جلال الدین سیوطی (۲) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی

(۳) الصلوٰۃ الساطعہ سید مصطفیٰ بن کمال الدین خلوتی (۴) الاصابہ امام ابن حجر عسقلانی

اور حقیر غلاموں کو مول لے لے کر آزاد کرتے ہو۔ کاش تم قوی اور کام کے آدمیوں کو آزاد کرتے تو وہ تمھارے کام آتے اور پشت پناہ بنتے"۔ حضرت ابوبکر نے یہ سُن کر جواب دیا کہ:۔ "ابّا جان۔ میں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا طالب ہوں"۔ اس پر آیات بالا نازل ہوئیں۔

امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ "اجماعِ اُمت اس پر ہے کہ آیۃ وسیجنبها الاتقی حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے"۔ اس موقع پر ایک نکتہ سُن لینا چاہیئے۔ آیۃ بالا میں اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر کو "الاتقیٰ" (سب سے زیادہ پرہیز گار) فرمایا ہے۔ ایک دوسری آیت ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقیکم (اللہ کے نزدیک بالتحقیق تم میں وہ سب سے زیادہ بزرگ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔ ان دونوں آیتوں کے مفہوم سے منطق کی شکلِ اوّل بنی۔ ابوبکر اتقیکم وکل اتقیکم اکرمکم۔ فابوبکر اکرمکم (ابوبکر سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ لہذا ابوبکر سب سے زیادہ بزرگ ہیں)۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "احادیث سے حضرت ابوبکر کی افضلیت کی چار وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل اُمّت میں مرتبۂ عَلیا پانا۔ صدیقیت اِسی سے مُراد ہے۔ دوم ابتدائے اسلام میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت۔ سوم نبوت کے کاموں کو اتمام تک پہونچانا۔ چہارم آخرت میں علوِ مرتبہ" یہ بھی لکھا ہے کہ "حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی عملی قوّت اور عقلی قوت حضرات انبیا علیہم السّلام کی عملی و عقلی قوت سے مشابہ تھی"۔

جس مال کو راہِ خدا میں صرف کر کے حضرت ابوبکر لطفِ خداوندی سے ممتاز ہوئے اُس کی شان دیکھو۔

حدیث میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے مال کو مثل اپنے مال کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۳) (۵) الاستیعاب حافظ ابن عبدالبر (۶) الریاض النضرۃ محب الدین طبری رحمہم اللہ تعالےٰ

بے تکلّف خرچ فرماتے تھے - ارشادِ نبوی ہی کہ "ہم پر جس کا بھی احسان تھا ہم نے اُس کا بدلہ دے دیا صرف ابوبکر کا احسان باقی ہی اُس کا بدلہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ بخشے گا" اس حدیث کے ساتھ ایک حدیث اور ملاؤ۔

یا ابا بکر عطاك اللہ الرضوان الاکبر	اے ابوبکر اللہ تعالیٰ نے تم کو سب سے بڑی خوشنودی سے
قال وما رضوان اللہ الاکبر قال ان اللہ	سربلند فرمایا - عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑی خوشنودی
یتجلی للخلق عامۃ ویتجلی لك خاصۃ	اللہ تعالیٰ کی کیا ہی - فرمایا اللہ تعالیٰ مخلوق کے واسطے
	تجلّی عام فرمائیگا اور تمھارے واسطے تجلی خاص

اب تمھارے ذہن میں عطائے ربّانی کا مفہوم آسکیگا - ایک اور امر غور طلب ہی - آیات بالا میں حضرت ابوبکر کے خوش ہوجانے کا وعدہ ہی - سورۂ والضحیٰ میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش فرمادینے کا وعدہ ہی - اس سے بھی حضرت ابوبکر کے علو مرتبہ کا پتہ چلتا ہی -

(۲) الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ	اگر تم رسول کی مدد نہیں کرتے ہو تو کچھ پرواہ نہیں)
اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین	اللہ نے اُن کی مدد اُس وقت کی جب کافروں نے اُن
اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ	کو نکال دیا اور وہ دو میں کے ایک تھے جب دو نو غار
لا تحزن ان اللہ معنا ج	میں تھے - جس وقت وہ اپنے دوست سے کہتے تھے ملول
	نہو خدا ہمارے ساتھ ہی

اِس آیت میں اُس موقع کا ذکر ہی جب ہجرت کے وقت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں حضرت ابوبکر غارِ حرا میں تھے - اُس وقت کا ارشاد "ان اللہ معنا" اُس قوتِ ایمانی کا جلوہ دکھلاتا ہی جس کے سامنے مخالفین نے بھی سر تسلیم و ادب خم کردیا ہی - ایسے موقع پر صدیق اکبر کی محبت اُن کے علو مرتبہ کی اعلیٰ شہادت ہی - رضی اللہ عنہ -

علوِ مرتبہ کا پایہ بلند تر ہو جاتا ہی بلکہ اُس درجہ پر پہنچ جاتا ہی جس کے آگے صرف رسالت اور نبوت کا رتبہ ہی۔ جب اس ارشادِ نبوی پر غور کیا جائے "ما ظنک باثنین اللہ ثالثہما" اے ابوبکر تمھارا اُن دو کی نسبت کیا گمان ہی جن کا تیسرا اللہ ہی۔ جب کفار سرگرم تلاش غارِ حرا کے منھ پر آ کھڑے ہوتے ہیں اور یارِ غار کو اُن کے پانو نظر آتے ہیں تو اُن کی زبان سے بے اختیار نکلتا ہی اے اللہ کے رسول ہم تو اب پائے گئے" اُس وقت ارشاد بالا صادر ہوتا ہی۔ غور کیجئے قربِ الٰہی کا یہ وہ مقام ہی جہاں صرف اللہ۔ رسول اور صدیق ہیں۔ اللہ اکبر۔ ثانی اثنین میں دوسری شان ہی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں دُو میں کا ایک فرمایا ہی اس طرح صدیق اکبر آپ کے دوسرے ہوتے ہیں۔ یہ تقرب نبوی کا جلوہ ہی۔ یہ رفاقت اور اثنینیت محض اتفاقی نہ تھی۔ نتیجہ تھی اُس فدائیت اور سرگرمی خدمت کا جس کی سعادت روزِ ازل سے حضرت صدیق کے مقدر میں تھی۔ یارِ غار نے یہ معیت۔ جان۔ مال۔ اہل عیال۔ ریاست و آسایش غرض جو کچھ اُن کی بساط میں تھا سب کچھ آپ پر سے قربان کرکے حاصل کی تھی۔

ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسہم باان لھم الجنۃ — اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جنت دے کر اُن کی جانیں خرید لی ہیں۔ اہلِ تقرب کی جنت رضائے دوست ہی

شعر

بمزدِ یادِ خود۔ باغِ بہشتم وعدہ فرمودی — مگر۔ باغِ بہشتی۔ بہتر از یادِ تو می باشد

تم حالاتِ صدیق اکبر میں پڑھ چکے ہو کہ وہ بعثت سے ایک سال پہلے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور دوسرے ہوئے۔ ارشاد ہی۔ (ابتدائے اسلام میں) "میں نے کہا کہ میں سارے انسانوں کی جانب خدا کا رسول

ہوں۔ تم نے کہا جھوٹ ہی۔ ابوبکر نے کہا سچ ہی۔

آں حضرت آغازِ اسلام میں حرم محترم میں خانۂ کعبہ کے قریب مشغولِ عبادت ہیں۔ کفار حملہ آور ہوتے ہیں اور گلوئے مبارک میں چادر ڈال کر گھونٹتے ہیں۔ کسی نے حضرت صدیق سے جا کہا "ادرك صاحبك" اپنے دوست کی خبر لو۔ یہ سن کر بیتابانہ آئے اور کفار کے نرغے میں گھس گئے اور یہ کہہ کر حملہ کیا:

"ویلکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم" تم پر افسوس ہی۔ کیا تم ایک شخص کو اس کہنے پر قتل کرتے ہو کہ میرا رب اللہ ہی۔ اور حال یہ ہی کہ وہ تمھارے پاس خدا کی جانب سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہی۔

کافروں نے جو سلوک اُن کے ساتھ کیا وہ تم پڑھ چکے ہو۔

جب ہجرت کا حکم آیا اور مدینہ کا ستارا چمکا یارِ غار سب کو چھوڑ کر ہمرکاب تھے۔ غرض وہ کون سا معرکہ اور موقع تھا جہاں صدیق اکبر پروانہ وار شمع رسالت (بابی وامی) پر نثار نہ تھے۔ اس جاں نثاری وجاں بازی نے قلبِ اقدس میں وہ جگہ پائی تھی کہ ہر موقع پر ارشاد ہوتا تھا۔ "انا وابوبکر و عمر" (میں اور ابوبکر اور عمر)

ایک موقع پر جب نطق حیوان کا ایک واقعہ آپ نے بیان فرمایا تو سامعین نے تعجب کیا ارشاد ہوا میرا اور ابوبکر اور عمر کا اس پر ایمان ہی۔ حالانکہ یہ دونو جلیل القدر صحابی اس وقت حاضر نہ تھے۔ غزوۂ بدر میں نشستگاہ نبوی کی پاسبانی حضرت صدیق کے سپرد ہوئی۔ یہ ایسا معرکہ خیز وقت تھا کہ اس کے لحاظ سے حضرت شیر خدا نے حضرت ابوبکر کو اشجع الناس (سب آدمیوں سے زیادہ بہادر) فرمایا ہی۔ حیات نبوی میں احکامِ دین بتانے میں ثانی

ہوئے۔ حدیث شریف میں ہی کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کے زمانہ میں سوائے صدیق اکبرؓ کے کسی نے فتویٰ نہیں دیا۔ ناسازیٔ مزاج مبارک میں امامت نماز میں ثانی ہوئے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ رسول اللہ کی حیثیت سے ترقی دین کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔ اُس وقت جس عزم اور قوتِ ایمانی کا ظہور ہوا وہ صدیق اکبرؓ کا حصّہ تھا۔ اُس کا حال حالات و واقعات آپ کو سنا چکے۔ مفارقت محبوب کا صدمہ جان لے کر گیا۔ امام سیوطی کا قول تم نے پڑھا کہ "اُن کا اصل مرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت تھی"۔ جب تک زندہ رہے اس صدمے سے گھلتے رہے۔ حیاتِ ظاہری ختم ہوئی تو پہلوئے مبارک میں جگہ ملی۔ اور دوسرے ہوئے ارشادِ نبوی ہی کہ قیامت کے روز سب سے اوّل میری قبر کشادہ ہوگی پھر ابوبکرؓ کی پھر عمرؓ کی۔ میری امّت میں سب سے اوّل ابوبکرؓ داخلِ جنت ہونگے۔ دعا فرمائی کہ الٰہی ابوبکرؓ کو جنّت میں میرے درجہ میں جگہ دینا۔ اللہ اور اُس کے رسول بہتر جانتے ہیں کہ سلوکِ رفاقت کن مقاماتِ عالیہ تک پہونچا ہی۔ صوفیائے کرام نے فرمایا ہی کہ حضرت صدیقؓ کو ضمنیتِ کبریٰ کا مرتبہ حاصل تھا اور اُن کی نسبت ابراہیمی تھی۔ کلام مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا لقب اوّاہ (دردمند) ہی۔ صحابۂ کرام حضرت صدیقؓ کو اِسی لقب سے یاد کرتے تھے۔

(۳) هو الذي يصلي عليكم وملائكته — وہی ہی جو رحمت بھیجتا ہی تم پر اور اُس کے فرشتے تاکہ
ليخرجكم من الظلمات الى النور ط — نکالے تم کو تاریکیوں سے روشنی میں اور ہی ایمان
وكان بالمؤمنين رحيماه — والوں پر مہربان

(سورۂ احزاب رکوع ۵)

جب آیت۔ ان الله وملائكته يصلون على النبي نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے

عرض کی کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ جو فضل وکرم آپ پر فرماتا ہے اُس میں ہم نیازمندوں کو بھی شریک فرماتا ہے۔ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴) ووصینا الانسان بوالدیہ احساناً ط (سورۂ الاحقاب۔ رکوع ۲)
اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے

(۵) وشاورھم فی الامر ج (سورۂ آل عمران رکوع ۱۷)
اور اُن سے مشورہ لو ہر کام میں

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے دو وزیر اہل آسمان میں سے ہیں۔ جبریل اور میکائیل۔ اور دو اہل زمین میں سے ہیں ابوبکر اور عمر۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے ابوبکر اور عمر میرے سمع وبصر ہیں۔

(۶) وان تظٰھرا علیہ فان اللہ مولٰہ وجبریل وصالح المومنین والملٰئکۃ بعد ذالک ظھیراً (التحریم رکوع (۱))
اگر تم دو توچڑھائی کرو اُن پر (رسول پر) تو اللہ اُن کا کارساز ہے اور جبریل اور صالح اہل ایمان اور اُس کے بعد فرشتے مددگار ہیں

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ مفسرین کے سوادِ اعظم کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی شان میں نازل ہوئی۔ صالح مومنین سے وہی مراد ہیں۔

(۷) ولمن خاف مقام ربہ جنتان
اور جو شخص خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اُس کے لیئے دو جنتیں ہیں

آیاتِ بالا کے سوا جس قدر آیتوں میں صحابۂ کرام۔ سابقون اوّلون۔ مہاجرین۔ مجاہدین اور مومنین وغیرہ کے اوصاف وفضائل ہیں اُن میں حضرت ابوبکر بطریق اولیٰ شریک

ہیں۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ بکثرت آیاتِ قرآنی سے فضائل صدیقی ثابت ہیں۔

احادیثِ نبوی خاص حضرت ابوبکر کے فضائل میں ایک سو اکیاسی (۱۸۱) حدیثیں مروی ہیں۔ اٹھاسی (۸۸) حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت کا بیان ہے۔ سترہ (۱۷) حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفائے ثلثہ کے فضائل ہیں۔ چودہ (۱۴) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے فضائل مجموعی طور پر مذکور ہیں۔ سولہ (۱۶) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے ساتھ اور صحابۂ کرام بھی شریک فضائل ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اس طرح (۱۸۱ + ۸۸ + ۱۷ + ۱۴ + ۱۶ = ۳۱۶) تین سو سولہ حدیثیں حضرت ابوبکر کے فضائل میں روایت کی گئی ہیں۔ یہ تعداد تو ان حدیثوں کی ہے جو مخصوص نام کے ساتھ ہیں۔ جن ہزاروں حدیثوں میں مہاجرین۔ مومنین وغیرہ اہلِ ایمان وصلاح کے فضائل مذکور ہیں وہ بھی حضرت صدیق اکبر کی شان میں صادق آتی ہیں۔ چند حدیثیں بطور نمونہ اور تبرک کے یہاں نقل کی جاتی ہیں

(۱) مادعوت احدًا الی الاسلام الا کانت لہ عنہ کبوۃ وتردد ونظر الا ابا بکر ما عتم عنہ حین ذکرتہ وما تردد فیہ (ابن اسحٰق)	میں نے کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دی مگر اس میں اس کی طرف سے ایک گونہ کراہت تردد اور فکر پائی۔ لیکن ابوبکر سے جب میں نے اسلام کا ذکر کیا تو انھوں نے بلا توقف و تردد اس کو قبول کر لیا
(۲) ھل انتم تارکون لی صاحبی انی قلت یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت (بخاری)	کیا تم میرے دوست کا ستانا میری خاطر سے چھوڑ دو گے میں نے کہا کہ اے لوگو میں تم سب کے پاس اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں تم نے کہا جھوٹ ابوبکر نے کہا سچ ہے

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر فوراً نادم

ہوئے اور معافی چاہی۔ فاروق اعظم نے معاف کرنے سے انکار کیا۔ حضرت ابوبکر نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ یا ابابکر یغفر اللہ لک یا ابابکر یغفر اللہ لک۔ اے ابوبکر تمھاری خطا اللہ بخشے، اے ابوبکر تمھاری خطا اللہ بخشے۔ اس عرصے میں حضرت عمر کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور حضرت ابوبکر کے مکان پر پہونچے۔ وہاں نہ ملے تو کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن کو دیکھا تو چہرہ مبارک غصے سے متغیر ہو گیا۔ حضرت ابوبکر یہ کیفیت دیکھ کر ڈر گئے اور گھٹنوں کے بل گر کر دوبار عرض کی انا کنت اظلم منہ۔ زیادتی میری جانب سے ہوئی۔ اس وقت حدیث بالا ارشاد فرمائی گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کسی نے حضرت ابوبکر کو کبھی ایذا نہیں پہونچائی۔

(۳) ما طلعت الشمس ولا غربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبی (ابونعیم۔ عبدالرحمن بن حمید وغیرہما)

سوائے نبی کے آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہوا جو ابوبکر سے زیادہ بزرگ ہو

(۴) ابوبکر خیر الناس الا ان یکون نبی (طبرانی)

سوائے نبیوں کے ابوبکر سب آدمیوں سے بہتر ہیں

(۵) ان اللہ یکرہ فوق السماء ان یخطأ ابوبکر (طبرانی۔ ابونعیم وغیرہما)

اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ ابوبکر خطا کریں

(۶) عن عمرو بن العاص قال قلت یا رسول اللہ من احب الناس الیک قال عائشۃ قلت من الرجال قال ابوھا قلت ثم من قال عمر بن الخطاب (بخاری۔ مسلم)

عمرو بن العاص نے کہا ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب آدمیوں میں زیادہ کون محبوب ہے فرمایا عائشہ میں نے کہا مردوں میں فرمایا ابوبکر پھر عرض کی اُن کے بعد فرمایا عمر ابن الخطاب

اس حدیث کو حضرت انس حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس نے بھی روایت کیا ہی۔

(۷) عن علی بن ابی طالب کنت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ طلع ابوبکر و عمر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر و عمر ھذان سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین و الآخرین الا النبیین و المرسلین۔ لا تخبرھما (ترمذی وغیرہ)

حضرت علی ابن ابی طالب سے روایت ہی کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر اور عمر نمایاں ہوئے آپ نے اُن کی نسبت فرمایا کہ یہ دونو انبیا اور مرسلین کے سوا سارے اگلے پچھلے ادھیڑ عمر والے جنتیوں کے سردار ہیں۔ ان کو خبر نہ کرنا

حضرت شیر خدا سے اس حدیث کے راوی حضرت امام زین العابدین ہیں رضی اللہ عنہ یہ حدیث حضرات ابن عباس۔ ابن عمر۔ ابوسعید خدری اور جابر بن عبد اللہ نے بھی روایت کی ہی۔

(۸) ارحم امتی بامتی ابوبکر (ترمذی امام احمد)

میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں

(۹) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من نبی الا ولہ وزیران من اھل السماء و وزیران من اھل الارض ۔ فاما وزیرای من اھل السماء فجبریل و میکائیل واما وزیرای من اھل الارض فابوبکر و عمر (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہی جس کے دو وزیر اہل آسمان میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبریل اور میکائیل ہیں اور اہل زمین سے ابوبکر اور عمر

(۱۰) ابوبکر فی الجنۃ (اصحاب سنن وغیرہ)

ابوبکر جنتی ہیں

(۱۱) ان اھل الدرجات العلی لیراھم من تحتھم کما ترون النجم الطالع فی افق السماء وان ابابکر وعمر منہم

(ترمذی۔ طبرانی)

بلند مرتبہ (جنتیوں) کو نیچے درجے والے اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم کنارۂ آسمان پر روشن ستارے کو دیکھتے ہو ابوبکر اور عمر اُن ہی میں ہیں

(۱۲) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج علی اصحابہ من المھاجرین والانصار وھم جلوس فیھم ابوبکر وعمر فلا یرفع الیہ احد منہم بصرہ الا ابوبکر وعمر فانھما کانا ینظران الیہ وینظر الیھما ویتبسمان الیہ ویتبسم الیھما (ترمذی)

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام مہاجرین اور انصار کے مجمع میں تشریف لاتے تھے جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی ہوتے تھے اہل جلسہ میں سے کوئی صاحب آپ کی جانب نگاہ نہیں اُٹھاتے تھے سوائے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے یہ دونو صاحب آپ کی جانب دیکھتے تھے آپ اُن کی طرف اور یہ دونو صاحب آپ کی جانب دیکھکر مسکراتے تھے آپ اُن کی طرف دیکھکر تبسم فرماتے تھے

(۱۳) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم فدخل المسجد وابوبکر وعمر احدھما عن یمینہ والآخر عن شمالہ وھو آخذ بایدیھما وقال ھکذا نبعث یوم القیامۃ

(ترمذی۔ حاکم۔ طبرانی)

ایک روز حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دولتخانہ سے مسجد میں اس شان سے تشریف لائے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر آپکے دائیں بائیں تھے اور آپ اُن کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور فرمایا ہم اسی طرح قیامت کے دن اُٹھینگے۔ (دیکھو اسی کا انتظام کہ دونو صاحب روضۂ اقدس میں پہلوئے مبارک میں دفن ہیں)

(۱۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اول من تنشق الارض عنہ

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (قیامت کے دن) سب سے اوّل میرے اوپر سے زمین کشا

ثم ابوبکر ثم عمر (ترمذی۔ حاکم)

ہوگی پھر ابوبکر کے پھر عمر کے

(۱۵) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی ابابکر و عمر فقال ھذان السمع و البصر (ترمذی۔ حاکم۔ طبرانی)

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ دونو سمع اور بصر ہیں

(۱۶) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت صاحبی علی الحوض وانت صاحبی فی الغار (ترمذی)

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوبکر سے) فرمایا تم میرے رفیق حوض (کوثر) پر ہیو اور میرے رفیق غار میں

(۱۷) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من امن الناس علی فی صحبتہ وماله ابابکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام (بخاری ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن شخصوں کا میرا صحبت اور مال میں سب سے زیادہ احسان ہے اُن میں ابوبکر ہیں اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل (دلی دوست) بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اخوۃ اسلام ہے

یہ حدیث تیرہ صحابیوں نے روایت کی ہے اور امام سیوطی نے اُس کو متواتر حدیثوں میں داخل کیا ہے۔

(۱۸) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لاحد عندنا ید الا وقد کافاناہ الا ابابکر فان له عندنا یدا یکافیه اللہ بها یوم القیامة وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ دے دیا ہو مگر ابوبکر کہ اُن کا جو احسان ہمارے ذمہ ہے اُس کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیگا اور کبھی کسی کے مال نے وہ نفع مجھکو نہیں دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا

مال ابی بکر (ترمذی)

حضرت ابوبکر اس ارشاد مبارک کو سُن کر روئے اور کہا کہ یا رسول اللہ کیا میرا مال آپ کا مال نہیں ہے۔

(۱۹) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحسان بن ثابت هل قلت فی ابی بکر شیئاً قال نعم فقال قل وانا اسمع فقال	حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا کہ تم نے ابوبکر کی شان میں کچھ کہا ہے جواب دیا کہا ہے فرمایا مجکو پڑھ کر سناؤ اُنھوں نے یہ شعر پڑھے

اشعار

(۱) وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا	اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے جب دشمن پہاڑ پر پڑھ کر گرد گھوم رہے تھے
(۲) وکان حب رسول اللہ قد علموا من البریة لم یعدل بہ احد	وہ رسول اللہ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ اس کا علم ہے کہ ساری مخلوق میں آپ کے نزدیک انکی برابر کوئی نہیں ہے
فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ ثم قال صدقت یا حسان هو کما قلت	یہ سُن کر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے اور فرمایا اے حسان تم نے سچ کہا وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا
(ابو سعید۔ حاکم)	
(۲۰) عن ابی الاروی الدوسی کنت عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابوبکر و عمر فقال الحمد للہ	حضرت ابی اروی سے روایت ہے کہ میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر اور عمر آئے انکو دیکھکر آپنے فرمایا اُس خدا کا شکر ہے جس نے تم دو

الذي ايدني بكما (بزاز. حاکم)

کے ذریعہ سے میری تائید کی

(۲۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو بكر صاحبي في الغار ومؤنسي في الغار سدوا كل خوخة في المسجد غير خوخة ابي بكر (عبد الله ابن احمد)

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر غار میں میرے رفیق تھے اور غار میں میرے مونس تھے مسجد میں جس قدر کھڑکیاں ہیں سب بند کر دو مگر ابو بکر کی کھڑکی

حب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تھی تو اُس کے گرد مکانات تعمیر ہوئے تھے صحابۂ کرام کے مکانوں کی کھڑکیاں مسجد کی جانب تھیں رحلت کے قریب ارشاد ہوا کہ سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں ابو بکر کی کھڑکی مستثنےٰ رہے ۔ (جزو ثانی اس حدیث کا مُسلم و ترمذی نے بھی روایت کیا ہے)۔

(۲۲) اللهم اجعل ابا بكر في درجتي في الجنة يوم القيامة (حاکم)

ارشادِ مبارک ہے الٰہی ابو بکر کو قیامت کے دن جنت میں میرے ہی درجہ میں جگہ دینا

(۲۳) يا ابا بكر انت عتيق الله من النار (حاکم. ابن عساکر)

ارشادِ مبارک ہے اے ابو بکر تم کو اللہ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے

(۲۴) يا ابا بكر اعطاك الله الرضوان الاكبر قال وما رضوانه الاكبر قال ان الله يتجلى للخلق عامة و يتجلى لك خاصة (حاکم)

ارشادِ مبارک ہے اے ابو بکر بارگاہ الٰہی سے تم کو سب سے بڑی خوشنودی عطا ہوئی - دریافت کیا سب سے بڑی خوشنودی کیا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیے تجلی عام فرمائیگا اور تمہارے لیے تجلی خاص

(۲۵) ابى الله والمؤمنون ان يختلف عليك يا ابا بكر (امام احمد - ابونعیم)

اے ابو بکر اللہ تعالیٰ اور مومنین کو اس سے سخت انکار ہے کہ تمہارے متعلق اختلاف ہو

(۲۶) ان لم تجديني فاتي ابا بكر (تاریخ بخاری)

اگر تو مجھکو نہ پاوے تو ابو بکر کے پاس آنا

ایک صحابی بی بی نے مدینہ میں آکر مسألہ دریافت کیا جب رخصت ہونے لگیں تو عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر آیندہ میں آؤں اور آپ نہ ملیں تو مسألہ کس سے دریافت کروں اُن کے جواب میں آپ نے ارشاد بالا صادر فرمایا۔

(۲۷) مروا ابا بکر فلیصل بالناس — ابوبکر کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں

(بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

جب مرض وفات میں آپ مسجد میں تشریف لے جاکر امامت نہ فرما سکے تو ارشاد بالا صادر ہوا۔

(۲۸) نعم وارجوان تکون منھم — ہاں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ تم اُن میں سے ہوگے

(امام احمد۔ بخاری۔ مسلم)

ایک بار حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازوں اور اُن میں ہو کر داخل ہونے والوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کوئی ایسا بھی ہوگا جو سب دروازوں سے داخل ہو۔ اُس کے جواب میں حدیث مذکورۂ بالا ارشاد ہوئی۔

(۲۹) ما اوحی الی شیٔ الا صببتہ فی صدر ابی بکر (ریاض) — جو وحی مجھ پر نازل فرمائی گئی میں نے اُس کو ابوبکر کے سینہ میں نچوڑ دیا

صوفیائے کرام نے اس حدیث کو بہ کثرت روایت فرمایا ہے۔

(۳۰) ما فضلکم ابوبکر بفضل صوم ولا صلوٰۃ ولکن بشیٔ وقر بصدرہ (ریاض) — ابوبکر کو تم پر نماز یا روزے کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ ایک باوقار چیز کی وجہ سے ہے جو اُن کے سینہ میں ہے

اقوال صحابہ کرام و اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین

(۱) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لابی بکر یا خیر الناس بعد رسول اللہ (ترمذی)	حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا اے سب آدمیوں سے بہتر رسول اللہ کے بعد
(۲) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابوبکر سیدنا (بخاری)	فاروق اعظم کا یہ بھی قول ہے کہ ابوبکر ہمارے سردار ہیں
(۳) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لو وزن ایمان ابی بکر بایمان اھل الارض لرجح بھم (بیہقی)	حضرت عمر کا یہ بھی قول ہے کہ اگر ابوبکر کا ایمان سارے زمین کے اہل ایمان سے تولا جائے تو اُس کا پلہ بھاری رہیگا
(۱) قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر و عمر (امام احمد وغیرہ)	حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس اُمت میں اُس کے نبی کے بعد ابوبکر اور عمر سب سے بہتر ہیں

امام سیوطی کا قول ہے کہ امام ذہبی نے اس حدیث کو متواتر لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا قول ہے کہ اسّی (۸۰) بزرگوں نے اس حدیث کو حضرت شیر خدا سے روایت کیا ہے۔

(۲) قال علی رضی اللہ عنہ والذی نفسی بیدہ ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابوبکر (طبرانی اوسط)	حضرت علی نے فرمایا ہے کہ قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہم کسی نیکی کی طرف نہیں جھپٹے مگر یہ کہ ابوبکر اُس میں ہم سے سبقت لے گئے

حضرت عمر سے بھی یہی قول مروی ہے۔

(۳) قال علی رضی اللہ عنہ خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر و عمر لا یجتمع حبی وبغض ابی بکر و عمر فی قلب مومن

حضرت شیر خدا کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر اور عمر سب آدمیوں سے بہتر ہیں میری محبت اور ابو بکر اور عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا

(طبرانی)

(۴) قال علی رضی اللہ عنہ فھو اشجع الناس (البزار)

لہذا وہ سب سے زیادہ شجاع ہیں

پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ ایک بار حضرت علی نے اپنے ہمنشینوں سے دریافت کیا کہ "بتاؤ سب میں زیادہ کون بہادر ہے"۔ سب نے کہا "آپ" فرمایا "میں تو جس سے لڑا میں نے اُس سے حق کا بدلہ لے لیا۔ سب سے زیادہ شجاع آدمی کا نام لو"۔ عرض کی "ہم کو نہیں معلوم" فرمایا۔ "ابو بکر۔ غزوۂ بدر کے معرکے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک سایہ دار نشستگاہ بنادی تھی اُس کے بعد پوچھا گیا کہ کون شخص یہاں پاسبانی پر رہیگا جو کفار کو آپ کے پاس نہ آنے دے۔ یہ سُنکر واللہ کوئی شخص آپ کے قریب نہ آیا مگر ابو بکر۔ وہ تلوار کھینچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہو گئے۔ جب کوئی مُشرک آپ کے قریب آتا تو وہ شمشیر بکف اُس پر حملہ کرتے۔ لہذا وہ سب سے زیادہ شجاع ہیں"۔

(۵) عن ابی یحییٰ قال لا احصی کم سمعت علیا یقول علی المنبر ان اللہ عزوجل سمی ابا بکر علی لسان نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابو یحییٰ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ حضرت علی کو منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ "اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ابو بکر کا نام صدیق

صدیقاً (دار القطنی فی الافراد اصابہ) رکھا ہے"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت ابوبکر کی وفات کی خبر سنی تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر اُن کے مکان پر یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے۔

(۲) الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ آج خلافتِ نبوت کا خاتمہ ہو گیا

جس مکان میں حضرت ابوبکر کی لاش تھی اُس کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ذیل کا بلیغ خطبہ دیا جو فی الحقیقت صدیق اکبر کے اوصاف باطنی اور ظاہری اور اُن کے مراتب وفضائل کا پورا تبصرہ ہے۔ اس خطبہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت شیرِ خدا کے دل میں حضرت ابوبکر کی عظمت ومحبت کس قدر تھی۔

خطبہ

یرحمک اللہ یا ابابکر کنت الف رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وانسہ ومستراحہ
وثقتہ وموضع سرہ ومشاورتہ کنت
اول القوم اسلاما واخلصہم ایمانا واشدھم
یقینا واخوفہم للہ واعظمہم عناءً
فی دین اللہ واحوطہم علی رسول اللہ
علیہ وسلم واحدبہم علی الاسلام ایمنہم
علی اصحابہ واحسنہم صحبۃ واکثرھم
مناقب وافضلہم سوابق وارفعہم درجۃً
واقربہم وسیلۃ واشبہہم برسول اللہ

اے ابوبکر تم پر خدا کی رحمت۔ تم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے محبوب مونس، شریر، معتمد رازدار
اور مشیر تھے۔ تم مسلمانوں میں سب سے پہلے ایمان
لائے۔ تمہارا ایمان سب سے زیادہ خالص اور تمہارا
یقین سب سے استوار تھا۔ تم سب سے زیادہ اللہ سے
ڈرنے والے اور سب سے بڑھ کر دین کو نفع رساں
تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
سب سے زیادہ حاضر باش۔ اسلام پر سب سے زیادہ
شفیق۔ اصحاب رسول اللہ کے لیے سب سے زیادہ
بابرکت۔ رفاقت میں سب سے بہتر۔ سب سے زیادہ

صلی اللہ علیہ وسلم ھدیا وسمتا ورافۃ
وفضلا واشرفھم منزلۃ واکرمھم علیہ
واوثقھم عندہ فجزاک اللہ عن الاسلام
وعن رسولہ خیرا کنت عندہ
بمنزلۃ السمع والبصر صدقت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین کذبہ
الناس فسماک اللہ عزوجل فی تنزیلہ
صدیقا فقال والذی جاء بالصدق
وصدق بہ الذی جاء بالصدق محمد و
صدق بہ ابوبکر واسیتہ حین بخلوا
وقمت بہ عند المکارہ حین عنہ
قعدوا وصحبتہ فی الشدۃ اکرم
الصحبۃ ثانی اثنین وصاحبہ
فی الغار والمنزل علیہ السکینۃ
ورفیقہ فی الھجرۃ وخلیفتہ فی دین اللہ
وامتہ احسن الخلافۃ حین
ارتد الناس وقمت بالامر
مالم یقم بہ خلیفۃ نبی فنھضت
حین وھن اصحابک وبرزت

صاحب مناقب۔ فضائل کی دوڑ میں سب سے آگے۔
درجہ میں سب سے بلند۔ سب سے قریب وسیلہ اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ سیرۃ میں
ہیئت میں مہربانی میں اور فضل میں۔ قدر ومنزلت
میں سب سے بلند اور آپ کے نزدیک سب سے بڑھ کر معتمد
اللہ تعالیٰ تم کو اسلام کی جانب سے جزائے خیر دے
اور اپنے رسول کی جانب سے۔ تم آپ کے نزدیک
بمنزلہ سمع وبصر تھے۔ تم نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو اُس وقت سچا مانا جب سب نے آپ کو جھوٹا
کہا۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے اپنی وحی میں تمھارا
نام صدیق رکھا۔ چنانچہ فرمایا۔ اور وہ جو سچ کو لایا اور
جس نے اس کی تصدیق کی۔ لانے والے محمد تصدیق کرنے والے ابوبکر۔
تم نے آپ کے ساتھ اُس وقت غمخواری کی جب
اوروں نے تنگدلی کی۔ جب لوگ مصائب کے
وقت مدد سے بیٹھ رہے تھے تم آپ کی مدد پر
قایم رہے۔ سختی میں تم نے آپ کی بہترین رفاقت
کی تم دو میں کے ایک تھے۔ اور غار میں رفیق
اور وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے سکینہ (تسکین
قلب) نازل فرمائی۔ اور آپ کے ساتھی ہجرت میں تھے

حين استكانوا وقويت حين ضعفوا
لزمت منهاج رسول الله صلى الله
عليه وسلم اذ هموا كنت خليفة
حقا لم تنازع ولم تصدع برغم
المنافقين وكبت الكافرين
وكره الحاسدين وغيظ الباغين
وقمت بالامر حين فشلوا وثبت اذ
تتعتعوا ومضيت بنور الله اذ وقفوا
فاتبعوك فهدوا وكنت اخفضهم
صوتا واعلاهم فوقا واقلهم كلاما
واصوبهم منطقا واطولهم صمتا
وابلغهم قولا واشجعهم نفسا
واعرفهم بالامور واشرفهم عملا
كنت والله للدين يعسوبا
اولا حين نفر عنه الناس
وآخرا حين اقبلوا كنت للمؤمنين
ابا رحيما حتى صاروا عليك
عيالا فحملت اثقال ما ضعفوا
ورعيت ما اهملوا وحفظت

اور آپ کے خلیفہ دین الٰہی میں اور اُمت میں جب
لوگ مرتد ہوئے تو تم نے بہترین خلافت کی اور امر
الٰہی کی تم نے وہ حفاظت کی جو کسی نبی کے خلیفہ نے
نہیں کی۔ جب تمہارے ساتھی سُستی کرنے لگے تو
تم اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب وہ دب گئے تو تم
دلیر ہو گئے اور جب وہ کمزور ہو گئے تو تم قوی
رہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے
سے اُس وقت چپٹے رہے جب لوگ مضطرب
ہو گئے۔ اگرچہ اِس سے منافقین کو غصہ کفار کو
رنج حاسدوں کو کراہت اور باغیوں کو غیظ و
غضب تھا تاہم تم بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ برحق تھے۔
تم دین الٰہی پر قایم رہے۔ جب لوگ بزدل ہو گئے
اور جب وہ گھبرا اُٹھے تو تم ثابت قدم رہے اور جب
وہ رُک گئے تو تم نور الٰہی کی روشنی میں رواں رہے
پھر اُنھوں نے (بھی) تمہاری پیروی کی اور منزل
پر پہونچ گئے۔ تمہاری آواز سب سے پست تمہارا تفوق
سب سے اعلیٰ۔ تمہارا کلام سب سے زیادہ باوقار تمہاری
گفتگو سب سے زیادہ باصواب۔ تمہاری خاموشی سب سے
زیادہ طویل۔ تمہارا قول سب سے زیادہ بلیغ تھا۔

ما اضاعوا وعلمت ما جهلوا وشمرت اذ
خضعوا وصبرت اذ جزعوا فادركت
اوتار ما طلبوا وراجعوا برشدهم
برايك فظفروا ونالوا بك ما لم
يحتسبوا كنت على الكافرين
عذابا صبا ولهبا وللمومنين رحمة
وانسا وحصنا فطرت والله بفضائها
وفزت بحبائها وذهبت
بفضائلها وادركت سوابقها
لم تفلل حجتك ولم تضعف
بصيرتك ولم تجبن نفسك ولم
يزغ قلبك ولم يحر كنت
كالجبل الذي لا تحركه القواصف
ولا تزيله العواصف وكنت
كما قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم آمن الناس علينا
في صحبتك وذات يدك و
كنت كما قال ضعيفا في
بدنك قويا في امر الله

تمھاری ذات سب سے زیادہ شجاع - اور معاملات سے
سب سے زیادہ واقف اور عمل میں سب سے زیادہ بزرگ
تھی - واللہ تم اہلِ دین کے سردار تھے - جب لوگ
دین سے ہٹے تو تم آگے بڑھے اور جب وہ دین
پر جھکے تو تم اُن کے پیچھے پیچھے تھے - تم اہلِ ایمان
کے مہربان باپ تھے اِس مہرپدری سے وہ تمھاری
اولاد بن گئے - جن بھاری بوجھوں کو وہ نہ اُٹھا
سکے اُن کو تم نے اُٹھایا - جو اُن سے فروگذاشت
ہوئی اُس کی تم نے نگہداشت کی - جو چیز اُنھوں
نے کھودی اُس کی تم نے حفاظت کی - جو اُنھوں
نے نہ جانا وہ تم نے سکھایا - تم نے جانبازی کی -
جب وہ عاجز ہوگئے تم ثابت قدم رہے - جب وہ
گھبراگئے - تم نے دادخواہوں کی دادرسی کی -
وہ اپنی رہنمائی کے لیے تمھاری رائے کی جانب
رجوع ہوئے اور کامیاب ہوئے - تمھارے ذریعے سے اُن
کو وہ ملا جس کا اُن کو گمان نہ تھا - تم کافروں کے لیے
بارشِ عذاب اور آتشِ سوزاں تھے اور مومنوں
کے لیے رحمتِ انس و پناہ - تم نے اوصاف کی فضا
میں پرواز کی اُن کا خلعت پالیا - اُن کے محاسن

متواضعاً في نفسك عظيماً عند
الله جليلاً في اعين الناس
كبيراً في انفسهم لم يكن
لاحد فيك مغتر ولا لقائل فيك
مهمز ولا لاحد فيك مطمع
ولا لمخلوق عندك هوادة
الضعيف الذل عندك قوي
عزيز حتى تاخذ بحقه والقوي
عندك ضعيف ذليل حتى تاخذ
من الحق القريب والبعيد
عندك في ذالك سواء اقرب
الناس اليك اطوعهم لله و
اتقاهم له شانك الحق والصدق
والرفق قولك حكم حتم
وامرك حلم وحزم ورايك
علم وعزم فاقلعت وقد
نهج السبيل وسهل العسير
واطفيت النيران واعتدل
بك الدين وقوي بك الايمان

ے لیئے اور فضائل کی بازی جیت لی۔ تمہاری
دلیل کو شکست نہیں ہوئی۔ تمہاری بصیرت کمزور
نہیں ہوئی اور تم نے بزدلی نہیں کی۔ تمہارا
دل نہ کج ہوا اور نہ پھرا۔ تم اُس پہاڑ کی مثل تھے
جس کو نہ شدائد ہلا سکتے ہیں اور نہ ہوا کے طوفان
ہٹا سکتے ہیں۔ تم بقول آں حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم رفاقت اور مال میں سب سے زیادہ منت
افزا تھے اور بقول آپ کے بدن کے ضعیف
تھے حکم الٰہی میں قوی۔ خود اپنے ذہن میں ناچیز
اللہ تعالےٰ کے نزدیک گرامی قدر۔ انسانوں
کی نگاہوں میں با اجلال اور دلوں میں باوقعت
تھے۔ تمہاری نسبت کسی کو آنکھ مارنے کی مجال
نہ تھی اور نہ کوئی طعن کا موقع پا سکتا تھا۔ کسی کے
لیئے تم محل طمع نہ تھے اور نہ مخلوق میں کسی کی
رعایت بیجا کر سکتے تھے۔ عاجز اور ذلیل تمہارے
نزدیک قوی اور معزز تھا کہ تم اُس کا حق لے کر
مانتے تھے اور زبردست تمہارے سامنے
کمزور اور ناچیز تھا کہ تم اُس سے حق لے کر
رہتے تھے۔ اس معاملے میں قریب و بعید

وثبت الاسلام والمسلمون
وظهر امر الله ولو كره
الكافرون فسبقت والله
سبقاً بعيداً واتعبت من
بعدك اتعاباً شديداً و
فزت بالخير فوزاً مبيناً فجللت
عن البكاء وعظمت
رزيتك في السماء وهدت
مصيبتك في الانام فانا لله
وانا اليه راجعون ورضينا
عن الله قضاءه وسلمنا له
امره فوالله لن يصاب المسلمون
بعد رسول الله صلى الله
عليه وسلم بمثلك ابداً
كنت للدين عزاً وحرزاً
وكهفاً وللمؤمنين فئة و
حصناً وغيثاً وعلى المنافقين
غلظة وغيظاً فالحقك
الله بنبيك صلى الله عليه

سب تمھاری نظر میں برابر تھے۔ تمھارا سب سے زیادہ
مقرب وہ تھا جو خدا کا سب سے زیادہ فرماں بردار
اور سب سے زیادہ پرہیزگار تھا۔ تمھاری شان حق
راستی اور نرمی تھی۔ تمھارا قول حکم اور قطعی تھا تمھارے
حکم میں حلم تھا اور حزم۔ رائے میں دانائی تھی اور
عزم تھا۔ ان اوصاف و فضائل کی قوت سے
تم نے باطل کو اُکھیڑ کر پھینک دیا اُس کے بعد
راستہ صاف تھا۔ مشکل آسان تھی اور (فتنہ و فساد
کی) آگ سرد۔ دین تمھاری مدد سے اعتدال
پر آگیا۔ ایمان تمھاری وجہ سے قوی ہو گیا۔ اور
اسلام اور مسلمان مضبوط ہو گئے اور فرمان
الٰہی غالب آگیا۔ اگرچہ کفار کو یہ سخت ناگوار تھا۔
اس حسن خدمت میں واللہ تم بہت آگے نکل گئے
اور اپنے جانشین کو سخت دشواری میں ڈال دیا۔
اور علانیہ خیر کے مراتب پا لیے۔ تمھاری شان
آہ و بکا سے ارفع ہے اور تمھارا ماتم آسمان پر عظیم
ہے اور تمھاری مُصیبت نے لوگوں کی کمر توڑ دی
تمھاری مُصیبت پر ہم انا للہ وانا الیہ راجعون
کہتے ہیں۔ قضائے الٰہی پر رضامند ہیں اور اس کے

وسلم و لا حد من احرك و لا اضلنا بعدك فانا للہ و انا الیہ راجعون ○

حکم کو تسلیم کرتے ہیں - واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمہاری وفات سے بڑھ کر مسلمانوں پر کبھی کوئی مصیبت نہیں پڑیگی - تم دین کی عزت - حفاظت اور پناہ تھے - مسلمانوں کی جمعیت قلبیہ اور جائے پناہ اور منافقین کے حق میں سختی اور غصہ - اس کی جزا میں اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملادے - اور ہم کو تمہارے اجر سے محروم اور تمہارے بعد گمراہ نہ فرمائے - ہم پھر انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں -

راوی کا بیان ہے کہ جب تک حضرت علی خطبہ دیتے رہے سب آدمی خاموش رہے جب خطبہ ختم ہوا تو اسقدر روئے کہ آواز بلند ہوگئی اور بالاتفاق کہا کہ اے رسول اللہ کے خویش آپ نے سچ فرمایا (الریاض النضرہ)

قال عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما ولینا ابوبکر فکان خیر خلیفۃ اللہ وارحمہ وارضاہ علینا (الحاکم)

حضرت عبد اللہ ابن جعفر طیار نے فرمایا ہے کہ ابوبکر ہم پر والی ہوئے تو اس شان سے کہ مخلوق الٰہی میں سب سے بہتر تھے اور ہم پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ہم سے خوش

قال ابو مریم کنت بالکوفۃ فقام الحسن

ابو مریم کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں تھا - امام حسن

بن علی خطیبًا فقال ایھا الناس رایت	بن علی نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ اے لوگو رات
البارحۃ فی منامی عجبًا رایت الرب	میں نے ایک عجب خواب دیکھا۔ میں نے رب کریم
تعالٰی فوق عرشہ فجاء رسول اللہ صلی اللہ	کو عرش پر دیکھا اسی عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم حتی قام عند قائمۃ من قوائم	علیہ وسلم تشریف لائے اور عرش کے ایک پایہ
العرش فجاء ابوبکر فوضع یدہ علی	کے پاس قیام فرمایا پھر ابوبکر آئے اور دوش
منکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مبارک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے پھر عمر آئے
ثم جاء عمر ووضع یدہ علی منکب ابی بکر	اور ابوبکر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے
ثم جاء عثمان وکان بیدہ راسہ فقال	پھر عثمان آئے اُن کے ہاتھ میں اُن کا سر تھا
رب سل عبادک فیم قتلونی فانبعث	عرض کی الٰہی اپنے بندوں سے پوچھ کہ انھوں نے
من السماء میزابان من دم فی الارض	مجھ کو کس قصور میں قتل کیا۔ اِس کہنے پر آسمان
قال فقیل لعلی الا تری ما یحدث	سے دو خون کے پرنالے زمین میں بہنے لگے
بہ الحسن قال یحدث بما	یہ خطبہ سُن کر لوگوں نے حضرت علی سے کہا کہ
رائ (ابو یعلی)	"آپ دیکھتے ہیں حسن کیا کہتے ہیں" فرمایا "جو دیکھا
	وہ کہتے ہیں"

قال ابوجعفر ما رأیت احدًا	حضرت امام باقر کا قول ہے کہ میں نے کسی کو اپنے
من اھل بیتی الا وھو یتولٰی	اہل بیت میں سے نہیں دیکھا جو اُن دو نو حضرت
ھما (امام محمد)	ابوبکر اور حضرت عمر) سے محبت نہیں رکھتا تھا۔

عن ابی حفصة قال سالت محمد بن علی وجعفر بن محمد عن ابی بکر و عمر فقال اماما عدل نتولهما ونتبرء من عدوهما ثم التفت الی جعفر بن محمد فقال یا سالم ایسب الرجل جده ابوبکر الصدیق جدی لا تنال بشفاعة جدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لم اکن اتولهما واتبرء من عدوهما (امام محمد)

ابی حفصہ سے روایت ہو کہ میں نے محمد بن حنفیہ اور امام جعفر صادق سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی نسبت رائے طلب کی دونو نے کہا کہ وہ دونو امام عادل تھے ہم اُن کو دوست رکھتے ہیں اور اُن کے دشمن سے بیزار ہیں۔ پھر امام جعفر صادق نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اے سالم کیا کوئی انسان اپنے جد کو گالی دے سکتا ہو۔ ابوبکر صدیق میرے جد ہیں مجکو میرے جد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں اُن دونو سے محبت نہ رکھتا ہوں اور اُن کے دشمنوں سے بیزار نہوں

وعن ابی جعفر من جهل فضل ابی بکر و عمر جهل السنة (امام محمد)

حضرت امام باقر سے روایت ہو کہ جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت کو نہیں جانتا وہ سُنت کو نہیں جانتا۔

وعنه قال بغض ابی بکر و عمر نفاق و بغض الانصار نفاق انه کان بین بنی هاشم

حضرت امام باقر سے روایت ہو کہ ابوبکر اور عمر سے بغض نفاق ہو۔ اور انصار سے بغض نفاق ہے۔ بنی ہاشم۔ بنی عدی

وبین بنی عدی وبنی تیم شحناء فی الجاهلیه فلما اسلموا نزع الله ما فی قلوبهم حتی ان ابابکر اشتکی خاصرته وکان علی یسخن یده بالنار ویکمد بها خاصرة ابی بکر ونزلت فیهم ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین.

(امام محمد)

(قبیلۂ حضرت عمر) اور بنی تیم (قبیلۂ حضرت ابوبکر) میں زمانۂ جاہلیت میں عداوت تھی۔ جب یہ قبیلے مسلمان ہوگئے تو اُن کے دل میں جو کچھ (عداوت) تھی اللہ تعالیٰ نے نکال لی۔ اب نوبت یہ پہونچی کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر کے پہلو میں درد ہوا تو حضرت علی اپنا ہاتھ آگ سے گرم کرکے حضرت ابوبکر کا پہلو سینکتے تھے۔ انھیں بزرگوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترجمہ) اُن کے دلوں میں جو کچھ عداوت تھی ہم نے کھینچ لی۔ بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے

جاء رجل الی علی بن الحسین فقال ما کان منزلة ابی بکر وعمر من رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کمنزلتهما منه الساعة

(امام احمد)

ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوکر استفسار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا کیا مرتبہ تھا۔ فرمایا وہی مرتبہ تھا جو اس وقت بھی ہے (یعنی روضۂ اقدس میں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے)

قال الزبير بن العوام انا نري ابا بكر احق الناس بها بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم انه لصاحب الغار وثاني اثنين وانا لنعلم شرفه وكبره ولقد امره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالصلوٰة بالناس وهو حي (الحاكم)

حضرت زُبیر کا قول ہے کہ ہم سب سے زیادہ خلافت کا مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کو جانتے ہیں۔ وہ بالتحقیق رفیق غار تھے اور دو میں کے ایک تھے اور ہم کو اُن کا شرف اور اُن کی بزرگی خوب اچھی طرح معلوم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاتِ مُبارک میں اُن کو امامت کا حکم فرمایا تھا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی فضیلت خاص ہے کہ اُن کی چار نسلیں صحابی تھیں وہ خود۔ اُن کے والد حضرت ابو قحافہ۔ اُن کے بیٹے حضرت عبدالرحمن اور حضرت عبدالرحمن کے بیٹے حضرت ابو عتیق محمدؐ رضی اللہ عنہم اجمعین (الاستیعاب۔ یہ سند امام بخاری ذکر محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہم اجمعین)

باب چہارم [1]

اوّلیاتِ صِدّیقی

(۱) مردوں میں سب سے اوّل اسلام قبول کیا (۲) سب سے اوّل قرآنِ شریف کا نام مصحف رکھا

[1] اس باب کا ماخذ (باستثناء نمبر ۱۳ و ۱۹ کے) کتاب محاضرۃ الاوائل مؤلفہ شیخ علاء الدین سکتواری ہے جو امام سیوطی کی کتاب محاضرۃ الاوائل سے ماخوذ ہے۔ نمبر ۱۴ کا ماخذ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی سنہ ۱۲۸۲

(باقی ۱۴۱ پر)

(۳) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے قرآن شریف کو جمع کیا۔ حضرت شیر خدا کا قول ہی کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے وہ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے کتاب اللہ کو ترتیب مخصوص کے ساتھ جمع کیا جو تمام اُمت کے نزدیک مقبول ہی اور جس پر ساری اُمت کا اتفاق ہی (۴) سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کفّار سے لڑے اس لیئے وہ دین الٰہی اور دعوتِ نبوّت کے سب سے پہلے مجاہد ہیں (۵) سب سے پہلے خلیفۂ راشد ہیں (۶) سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی (۷) سب سے پہلے اُنھوں نے خلافت کے لیئے ولی عہد مقرر کیا (۸) سب سے پہلے بیت المال قایم کیا (۹) سب سے پہلے صدر اسلام میں اجتہاد کیا (۱۰) صحابۂ کرام میں سب سے اوّل اجتہاد کیا (۱۱) سب سے پہلے اُن کا لقب خلیفہ ہوا (۱۲) اسلام میں سب سے پہلے اُن کا لقب عتیق ہوا (۱۳) اُمّتِ محمدیہ میں سب سے پہلے داخل جنت ہونگے (۱۴) سب سے پہلے اسلام میں مسجد اُنھوں نے بنائی (۱۵) سب سے پہلے یہ مقولہ اُنھوں نے فرمایا البلاء موکل بالمنطق (۱۶) اسلام میں سب سے اوّل لقب اُن کو ملا یعنی عتیق۔

خاتمہ

حضرت ابوبکر کی زندگی کے معتبر اور مستند حالات و واقعات آپ نے پڑھے۔ اُن کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک قبل اسلام دوسرا بعد اسلام۔

(بقیہ نوٹ ص ۱۴۰) کا صفحہ ۵۳ و ۵۵ ہی۔ نمبر ۱۶ کا ماخذ رسالۂ مناقب الخلفاء مؤلفہ سید نور الحسن خاں مرحوم بھوپالی ہی جو تاریخ الخلفاء سیوطی کا خلاصہ ہی

مسلمان ہونے سے پہلے بھی وہ رئیس قریش تھے اور دولت مند تاجر۔ ریاست اور دولت کے ساتھ ساتھ حسنِ اخلاق ہمدردی وسعت معلومات دانشمندی اور معاملہ فہمی میں صاحب امتیاز تھے۔ ان ہی صفات کے اثر سے قوم میں محبوب اور معتمد تھے۔ گزشتہ واقعات سے واقف تھے۔ حال کے حالات کا سفر اور تجارت کے ذریعے سے تجربہ حاصل تھا۔ اُن کی صفات کی شہرت نواح مکّہ تک محدود نہ تھی بلکہ ابن الدغنہ کا قول ثابت کرتا ہے کہ اُن کی اخلاقی خوبیاں دُور دُور تک مسلّم تھیں۔ شراب کبھی نہیں پی۔ شعر پر پوری قدرت تھی۔ یہ اوصاف اور حالات بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر زمانۂ جاہلیت میں بھی ایک سلیم الطبع غمخوار دانشمند اور زندہ دل انسان تھے۔ جس انسان میں یہ صفات ہوں وہ بہترین ہمدم و رفیق بن سکتا ہے۔

آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے سے ایک سال پہلے سے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُن کی آمد و رفت تھی۔ جس طرح طلوعِ آفتاب سے قبل نور کا ظہور ہو جاتا ہے اسی طرح قربِ وحی کے زمانہ میں انوارِ رسالت کا ظہور شروع ہو گیا تھا خلوت گزینی و عبادت مزاجِ اقدس کو بہت زیادہ مرغوب ہو گئی تھی۔ رویاءِ صادقہ (سچے خواب) نظر آتے تھے۔ غرض بیداری خواب دونو حالتوں میں ظہورِ نور تھا۔ ظاہر ہے کہ اِس زمانہ کی صحبت بھی بے اثر نہ رہ سکتی تھی۔ اِس طرح حضرت صدیق اکبر نزولِ وحی سے پہلے قبولِ اسلام اور رفاقت و خلافت کی قابلیت و استعداد سے مشرف ہو چکے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ جب اسلام کی صدا کان میں آئی مانوس محسوس ہوئی۔ اُدھر حضرت صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تبلیغ اسلام ہوئی اِدھر بے تامل حضرت صدیق اکبر نے آمنّا کہا اور تصدیق کی اُس قوت کے ساتھ کہا جو صدیقیت کے خلعت سے

مشرّف ہوئی۔

شرفِ اسلام کے بعد حضرت ابوبکر کی زندگی اطاعت و استقامت کا مرقع ہی اور ارشادِ ربّانی یا ایّھا الّذین اٰمنوا ادخلوا فی السّلم کآفّۃ (یعنی اے ایمان والو اسلام میں پوری طرح داخل ہوجاؤ) کی تا بحدِّ بشر تعمیل۔ جسم جان شان عقل و فراست اولاد مال جائداد آرام و آسایش غرض جو کچھ اُن کی بساط میں تھا اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر قربان تھا۔ اِسی لیئے فاروقِ اعظم اور حضرت شیرِ خدا کی شہادت ہی ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابوبکر ہم جس نیکی کی طرف جھپٹے اُس میں ابوبکر ہم سے سبقت لے گئے۔ اپنی وجاہت کے اثر سے سابقینِ اوّلین کے اعلیٰ افراد کو خدمتِ مبارک میں قبولِ اسلام کے واسطے لاکر پیش کیا۔ مال خدمتِ اسلام کے لیئے وقف تھا۔ مالی سرمایہ آخر عمر تک تجارت کے ذریعے سے بڑھایا اور اللہ اور اُس کے رسول کی راہ میں صرف کیا۔ کمزور مسلمانوں کو خرید خرید کر ظالم آقاؤں کے پنجے سے چھڑایا۔ مجاہدین کی خدمت میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جو کچھ تھا سب لاکر حاضر کردیا۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو دیکھ کر فرماتے ہیں۔ اے ابوبکر بال بچّوں کے لیئے کیا چھوڑا۔ جواب میں عرض کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو رکھ چھوڑا ہی۔ اللہ اکبر کیسا پاکیزہ سرمایہ رکھّا۔ صدیق اکبر کی اُن دس اشرفیوں کی قیمت کا کون اندازہ کرسکتا ہی جو مسجدِ نبوی کی زمین کا نذرِ ثمن تھیں۔ اُس پاک سرزمین کا ایک ٹکڑا روضۂ جنّت ہی یہ منبر شریف اور قبرِ مبارک کے درمیان میں ہی دوسرا عرش سے بھی افضل ہی جو جسمِ اطہر کو مس کررہا ہی۔ جان و مال کی اصل طہارت یہ تھی کہ حضرت ابوبکر اپنے مال اور اپنے نفس کو اپنی ملکیت نہیں جانتے تھے بلکہ دونو کو حضرت سرورِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت جانتے اور مانتے تھے۔ جب ارشاد مبارک ہوا مانفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر (کسی کے مال نے مجھ کو وہ نفع نہیں دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا) تو یارِ غار نے رو کر عرض کی یا رسول اللہ کیا میں اور میرا مال آپ کے نہیں ہیں

اِسی تسلیم و رضا کا اثر تھا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کا مال مثل اپنے مال کے بے تکلف صرف فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکر جب تک زندہ رہے خدمتِ دین کے واسطے کماتے رہے۔ جب زندگی کے ساتھ خدمت کا سلسلہ قطع ہوا تو مال بھی ختم ہوا وفات کے بعد نقد ایک حبہ پاس نہ تھا اور کفن کے لئے کوڑی نہیں چھوڑی۔

اولاد بھی اللہ اور اُس کے رسول کی مرضی پر قربان تھی۔ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات سے خاطرِ اقدس ملول تھی تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے عقد میں دے دیا۔ حضرت عبد الرحمٰن جب تک کافر رہے اُن کو دشمنِ جانی کی طرح دیکھا۔ تعلق کجا۔ بدر میں جب اُن کو لشکرِ کفار میں دیکھا تو نہایت خشمگیں ہو کر کہا این مالی یا خبیث (اے پلید میرے حقوق کیا ہوئے)۔ دیکھو حقوق یہی تھے کہ لشکرِ اسلام کی صف میں لڑیں اور اسلام پر قربان ہوں۔ غزوۂ اُحد میں تلوار میان سے لے کر اُن کے مقابلے کے لیئے تیار ہو گئے تھے مگر دربارِ رسالت سے میدان میں جانے کی اجازت نہیں ملی۔ جب اُنھوں نے مسلمان ہو کر ایک مرتبہ کہا کہ ابا جان ایک موقع پر غزوۂ بدر میں آپ میری زد پر آ گئے تھے مگر میں نے بچا دیا۔ سُن کر فرمایا کہ بیٹا اگر تم میری زد پر آ جاتے تو میں ہرگز نہ چھوڑتا۔ ایک دوسرے صاحبزادے حضرت عبد اللہ غزوۂ طائف میں کام آئے اور خلعتِ شہادت سے سُرخ رو ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔ دو صاحبزادیوں نے باپ سے حدیث روایت کی۔ یعنی حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما۔

فتح مکّہ کے وقت اپنے نو۹۰ سالہ بوڑھے اور نابینا باپ کو خدمت میں لاکر حاضر کیا کہ شرف اسلام سے مشرّف ہوں۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ ابوبکر بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی میں خود اُن کے پاس چلتا۔ عرض کی کہ انہی کو حاضر خدمت ہونا چاہیئے تھا۔

ہجرت کے واقعات پر غور کرو۔ خونخوار دشمنوں کا نرغہ ہے۔ بار۱۲ہ منزل دور مدینہ طیبہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں اہل وعیال اور مال وجائداد کا کوئی ظاہری محافظ نہیں گھر میں بال بچوں کے حلقے میں بیٹھے ہیں کہ اسی اثنا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر ارشاد فرماتے ہیں "ابوبکر ہجرت کا حکم آگیا" بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے "اور میری رفاقت کا؟" ارشاد ہوتا ہے "اِس کی بھی اجازت ہے" یہ فرحت جاں فزا سُن کر جوشِ مسرت سے بیتاب ہو جاتے ہیں اور نہایت شوق سے سامانِ سفر کا اہتمام کرتے ہیں۔ بی بی۔ بچے۔ مال اور مکان سب آنکھوں کے سامنے ہیں اُن کی مصیبت اور تباہی بھی شاید ذہن میں آئی ہو گی لیکن ہمدمِ حبیب (روحی فداہ) کے ذوق کے مقابلے میں کسی کی پروا نہیں۔ کوئی سیرت یا تاریخ اس کا پتا ہی نہیں دیتی کہ مژدۂ ہجرت اور ہجرت کے درمیان جو وقت ملا اُس میں اُنھوں نے اپنی اولاد یا جائداد کی آسایش وحفاظت کا کچھ بھی بندوبست کیا ہو۔ انتہا یہ کہ باپ کو بھی خبر نہ کی۔ جو نقد سرمایہ تھا وہ خدمت کے لیئے ساتھ لے لیا۔ اور خونخوار کفار کے نرغے میں سب کچھ چھوڑ کر رکابِ سعادت میں باطمینانِ قلب روانہ ہوگئے۔ اُن کی تسلیم ورضا کا پرتو اُن کے گھر والوں پر بھی اس قدر تھا کہ بجائے پریشان ہونے کے دوسروں کی پریشانی رفع کرتے تھے۔ جب بوڑھے دادا مضطرب ہو کر آئے تو پوتی نے تدبیر سے اُن کی تسکین کر دی حالانکہ ابھی پوتی کو بیکسی میں ابوجہل کی شقاوت کا صدمہ پہونچا تھا۔ شرف اسلام کے بعد سے آں حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی رحلت تک پروانہ وار شمع رسالت (بابی و امی) پر قربان و نثار رہتے تھے۔ تمام لڑائی کے موقعوں پر یعنی غزوات میں شمشیر بکف ہمرکاب رہے۔ بدر میں جو شانِ شجاعت دکھائی اُس نے حضرت شیرِ خدا کی زبانِ مبارک سے "اشجع الناس" کا خطاب دلوایا۔ اُحد کے حوصلہ فرسا ہنگامے میں سب سے اوّل حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالتِ مجروحی شہداء کی لاشوں میں دیکھ کر شناخت کیا۔ جب اُن کے بیٹے عبدالرحمن نے کفار کی طرف سے میدان میں آکر حریف طلب کیا تو تلوار میان سے نکال کر مقابلے کے لیئے تیار ہو گئے اور اجازت طلب کی۔ فرمانِ رسالت ہوا۔ شم سیفک و امتعنا بک (تلوار میان میں کر لو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو) ۔ یہ فرمان سُنا تو قصد ملتوی کر دیا لڑائی اور صُلح سب میں آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی۔ غزوۂ خندق میں ایک دستہ حضرت صدیق کے ماتحت تھا۔ دیکھو صداقت کی برکت۔ جس موقع پر یہ دستہ متعین تھا وہاں ایک مسجد بنی۔ جو صدیوں تک قایم رہی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اُن کے زمانہ تک موجود تھی یعنی بارہویں صدی ہجری میں۔ حُدیبیہ کے معرکے میں جو وقت معرکہ کا تھا اُس میں حضرت فاروق اعظم تک بیتاب تھے مگر حضرت صدیق اکبر کی تسلیم و رضا کا یہ جلوہ تھا کہ اضطراب کیجا جب حضرت عمر نے اُن سے جاکر ماجرا بیان کیا تو صرف اسقدر کہا کہ رکابِ سعادت تھامے رہو۔ تبوک میں جائزہ فوج امامت اور بڑا نشان یہ سب خدمات حضرت صدیق اکبر کے سپرد تھیں۔ اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا وقت کیسا ہوش ربا وقت تھا۔ دُنیا میں ایسے اشخاص کی وفات سے جو سرگروہ اور کارفرما ہوتے ہیں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اُس ذاتِ پاک کی رحلت جو دونو عالم کی مرکز تھی۔ جس پر صحابۂ کرام جان سے قربان تھے اور جس کے

وجود باجود کی برکت سے وحی کا سلسلہ قایم تھا۔ انوار قدس کی بارش اس عالمِ خاکدان پر ہو رہی تھی اور اس فیض و برکت کو اُس قدسی گروہ کا ہر فرد محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے خلافت کے دَور میں جب حضرت صدیق اکبر فاروقِ اعظم کو ساتھ لے کر حضرت ام ایمن کے پاس باتباع سنّتِ نبوی گئے تو وہ روئیں اور رونے کی وجہ یہ بتائی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سلسلۂ وحی منقطع ہوگیا۔ اِس حادثہ کا یہ اثر تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وقفِ حیرت تھے۔ مسجد میں صحابۂ کرام کا مجمع تھا اور حضرت عمر اُس مجمع میں یہ تقریر فرما رہے تھے کہ منافق کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ واللہ وفات نہیں پائی ہے بلکہ اپنے رب کے پاس موسیٰ کی طرح گئے ہیں جو چالیس روز غائب رہ کر واپس آ گئے تھے۔ حالانکہ اُن کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے اِسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت فرمائینگے اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹینگے جو کہتے ہیں کہ آپ نے وفات پائی۔ اب حضرت ابوبکر کی حالت پر نظر ڈالیے جب اُن کو اس سانحۂ ہوش ربا کی خبر پہونچی تو گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور سیدھے حجرۂ مُبارک پر پہونچے۔ چہرۂ اقدس سے چادر اُٹھائی۔ پیشانی کو بوسہ دیا اور رو کر کہا۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کی حیات اور وفات دو نو پاک ہیں جو موت خدا تعالیٰ نے آپ کے لیئے مقدر فرمائی تھی اُس کا ذائقہ آپ نے چکھ لیا۔ اب اِس کے بعد آپ کبھی وفات نہ پائینگے۔ اِس کے بعد مسجد نبوی میں آئے تو حضرت عمر کو کلام بالا کہتے ہوئے سنا۔ اُن سے کہا سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ۔ وہ خاموش نہوئے تو خود سلسلۂ کلام شروع کر کے حاضرین کو اپنی طرف مخاطب فرما لیا اور کہا۔

اے لوگو جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا تو (وہ سمجھ لے کہ) محمدؐ نے وفات پائی اور

جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مریگا۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد)
اور نہیں محمدؐ مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں تو کیا وہ اگر مر جائیں یا قتل
کردیئے جائیں تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائیگا تو وہ خدا کو کچھ نقصان
نہیں پہونچائیگا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دیگا۔ اس کلام کو سن کر آنکھوں کے
سامنے سے حیرت کا پردہ اُٹھ گیا۔ اور حقیقت واقعہ منکشف ہو گئی حضرت عمرؓ کو آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکشاف ہوا تو فرط غم سے بیٹھ گئے۔ اہل معرفت نے اس
خطبہ کو توحید کا اعلیٰ مظہر مانا ہے۔ غور کرو اگر حضرت ابوبکرؓ کی قوتِ ایمانی اُس وقت اس
حیرت کو رفع نہ کردیتی تو مثل اور انبیا کے آپ کی رحلت کا واقعہ چیستان بن کر رہ جاتا
دین و ملّت کا سارا شیرازہ درہم و برہم ہو جاتا۔ بنی ساعدہ کے سقیفے کا حال تم پڑھ چکے
وہ چند گھنٹے ایسے خطرناک اور قیمتی تھے کہ اُن کے فیصلے نے اُمت کو تباہی سے بچا لیا
خود حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ واقعہ سقیفہ دفعتہً ہوا مگر اُس نے مسلمانوں کو تباہی سے بچا لیا
یہ بھی دیکھو کہ اُس جدّ و جہد سے صدّیقِ اکبر کا مقصد ذاتی رفعت نہ تھی بلکہ محض اُمّت کی
خدمت تھی۔ جب انتخاب اور بیعت کا وقت آیا تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ کو پیش فرمایا
کہ ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو دونو خلافت کے اہل ہیں۔ خلیفہ ہونے کے بعد
صاف کہہ دیا کہ خلافت کی مجھ کو کبھی تمنا تھی نہ میں نے پوشیدہ اس کے لیئے دعا کی۔

خلافت کا زمانہ قوتِ ایمانی کے اعلیٰ ظہور کا زمانہ ہے۔ اُس عہد کے واقعات بلند
آہنگی سے یہ شہادت دے رہے ہیں کہ شانِ صدّیقیت اور ایمانی قوت میں وہ مُبارک ذات
ممتاز تھی۔ واقعاتِ خلافت کہہ رہے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ قول بالکل
صحیح تھا کہ حضرت صدّیق اور حضرت فاروق کی قوت عاملہ و عاقلہ انبیا و رسل کے مشابہ

تھی۔ خلافتِ صدّیقی کا زمانہ قوّتِ عمل کا کارنامہ تھا۔ ابتدائی خطبہ دیکھو۔ اُس میں یہ الفاظ
ہیں۔ جو تم میں کمزور ہی وہ میرے نزدیک قوی ہی۔ انشاء اللہ اُس کا حق دلواؤں گا
اور تم میں جو قوی ہی وہ میری نظر میں کمزور ہی اُس سے انشاء اللہ حق لے کر چھوڑونگا۔
اِس کے ساتھ وہ فقرہ ملائیے جو ہنگامۂ ردّت کے وقت فرمایا تھا۔ انہ قد انقطع
الوحی وتم الدین اینقص وانا حیّ (ظاہر ہی کہ وحی کا سلسلہ قطع ہوگیا۔ دین کمال کو
پہونچ گیا۔ کیا یہ ممکن ہی کہ میری زندگی میں اُس کی قطع و برید کی جائے)۔

اِن دو نو مقولوں سے واضح ہی کہ خلافت سے حضرت ابوبکر کا مقصود حفاظت دین
اور خدمتِ خلق تھی۔ عملاً یہ ثبوت ہی کہ اُن دو خدمتوں کے سوا کوئی تیسرا کام اُنھوں
نے خلافت میں نہیں کیا۔

آغازِ خلافت میں جھوٹے مدّعیانِ نبوّت کی وجہ سے عرب میں ارتداد خانہ جنگی
و بغاوت کا طوفان ہر طرف بپا تھا۔ مؤرخ ابن اثیر کا قول ہی کہ جو بیس قبیلے مرتد ہو کر میدان
جنگ میں سرگرم کارزار تھے [illegible] قیصر و کسریٰ [illegible] نوں کی تاک میں
تھے اس حالت کا نقشہ حضرت عبداللہ [illegible] ہی "اُس وقت
مسلمان بکریوں کے اُس گلّے سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالت بارش
میدان میں بے گلہ بان رہ جائے [illegible] غایت تدبر سے ان تمام مشکلات
کا صحیح اندازہ فرمایا اور اُس کی کامل تدبیر فرمائی اور یہی ایک مدبّر کا کمال ہی۔ دیکھو
خلافت کے دوسرے دن جو قاصد ارتداد کی خبریں لے کر مدینہ طیبہ میں آئے اُن سے
حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ صبر کرو اس کے بعد جو خط آئینگے اُن میں اس سے زیادہ
کا سخت خبریں ہونگی۔ مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ اہتمام تھا

کہ فتنۂ ارتداد سے فارغ ہوتے ہی اُن کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں
ایک صحابی نے اپنے قبیلے کے ایک معاملے کی جانب اُن کو توجہ دلائی تو غصہ ہو کر فرمایا
کہ میں تو اُن دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور
تم میری توجہ معمولی کاموں کی طرف مائل کرتے ہو۔ خلافتِ صدیقی کا زمانہ صرف سوا
دو سال ہے۔ اسی قلیل عرصے میں ارتداد کا وہ فتنہ فرو کیا جاتا ہے جس کی آگ یمن سے
لے کر نواحِ مدینہ طیّبہ تک مشتعل تھی۔ اس حالت پر غور کرو کہ یمن سے لے کر مدینہ طیّبہ
تک مرتدوں کے لشکر پڑے ہوئے ہیں۔ خود مدینہ طیّبہ مرتدوں کے نرغے میں ہے۔ اس
ہنگامۂ قوت کے ساتھ مرتد خلیفۂ رسول اللہ کو پیام دیتے ہیں کہ ہم سے نماز پڑھوا لو مگر
زکوٰۃ معاف کرو۔ گویا بنیادِ اسلام کا ایک پایا ڈھا دینا چاہتے ہیں۔ اس طرف یہ حالت
ہے کہ مسلمانوں کا چیدہ لشکر حضرت اُسامہ کی سرداری میں رومیوں کے مقابلے میں روانہ
ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صحابۂ کرام سے مشورہ کرتے ہیں جن میں فاروق اعظم بھی شریک ہیں۔ سب کی رائے ہوتی
ہے کہ نرمی مناسبِ وقت ہے۔ حضرت عمر کے یہ الفاظ تھے "یا خلیفۃ رسول اللہ تالف الناس وارفق بھم"
(یعنی اے خلیفۂ رسول اللہ۔ لوگوں کے ساتھ تالیفِ قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ اس مشورے
کو سُن کر حضرت ابوبکر حضرت عمر سے مخاطب کر کے فرمایا

اجبّارٌ فی الجاھلیۃ وخو	یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے مسلمان
فی الاسلام انّہ قد انقطع	ہو کر بزدل ہو گئے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا
الوحی وتمّ الدین اینقص و	اور دین کمال کو پہنچ گیا کیا میری حیات میں اُس
انا حیٌّ۔ واللہ لاُجاھدنّھم	کی قطع و برید کی جائیگی۔ واللہ اگر لوگ ایک رسّی
ولو منعونی عقالاً	کا ٹکڑا بھی فرضِ زکوٰۃ میں سے دینے۔

کرینگے تو میں اُن پر جہاد کرونگا

یہ فرماکر مرتدوں کے ایلچی اسی جواب کے ساتھ واپس کردیئے جاتے ہیں۔ اُن کے جانے کے بعد باوجود ظاہری بے سروسامانی کے مدینہ منورّہ کی حفاظت فرمائی جاتی ہی اور حملہ آوروں کے حملے نہ صرف روکے جاتے ہیں بلکہ اُن پر حملہ کرکے شکست دی جاتی ہی اور سیلاب ارتداد کے فرو کرنے کی قوت کے ساتھ تدبیر کی جاتی ہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱ھ کے ختم تک یعنی صرف نو ماہ میں یہ ہنگامہ فرو ہوگیا اور اس قوت کے ساتھ کہ پھر آج تک نہیں برپا ہوا۔ ۱۲ھ میں کسریٰ کی قوت کا کسر و انکسار شروع ہوا اور اختتام سنہ مذکور سے قبل مجوّزہ مہم عراق ختم ہوگئی۔ اُس کے ختم ہوتے ہی قیصر کی نوبت آئی۔ اسلام کے لشکر شام پر بڑھے۔ اور معرکۂ یرموک کے سر ہونے سے رومیوں کو قوت اسلام کا اندازہ ہوگیا۔ اِسی واسطے خطبۂ کا[illegible] میں حضرت شیر خدا نے فرمایا تھا۔ "اِن اوصاف و فضائل کی قوت سے [illegible] کہ [illegible] کا [illegible] دیا۔ اُس کے بعد [illegible] صاف تھا۔ مشکل آسان تھی اور فتنہ وفساد [illegible] جنگی معرکوں کے ساتھ انتظام بھی تھے۔ عراق فتح بھی ہوا اُس میں خراج کا بندوبست بھی ہوا اور خراج وصول اسلام کے مقاصد کی تکمیل میں صرف بھی ہونے لگا۔ لشکر کو یہ ہدایتیں تھیں "خیانت نہ کرنا۔ دھوکا نہ دینا۔ سردار کی نافرمانی نہ کرنا۔ کسی شخص کے اعضا نہ کاٹنا۔ کسی بچّے بڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجور اور میوہ دار درخت نہ کاٹنا نہ جلانا۔ اونٹ بکری یا گائے کو سوا غذا کی ضرورت کے نہ مارنا۔ عیسائیوں کے گوشہ گیر اہلِ عبادت کو نہ ستانا۔ نعمتیں کھاکر خدا کو نہ بھول جانا" دیکھو عین معرکۂ کارزار میں دین و اخلاق کا سبق یاد رکھنے کی تاکید ہی۔ ترحم و کرم کا دائرہ انسان۔ حیوان۔ نباتات سب کے لئے

وسیع ہی۔ مورخ ابن اثیر نے (جن کی وفات ۶۳۰ھ میں ہی) لکھا ہی کہ "خلافتِ صدیقی کے احکام بالا آج تک مسلمانوں کے لشکر کے دستور العمل ہیں" یورپ کی حالیہ جنگ عظیم کے ہولناک مناظر دیکھ کر قدرتی طور پر یہ تمنا قلب سلیم میں پیدا ہوتی ہی کہ کاش تعلیم صدیقی کا فیض مغرور یورپ نے حاصل کر لیا ہوتا تو بنی نوع انسان پر یہ مصیبت نازل نہ ہوتی۔

اِس موقع پر ذرا شان صدیقی کا مُرقع دل کی نگاہ کے سامنے لے آؤ۔ مُسیلمہ کذاب سے معرکہ ہی۔ روم و ایران کے شیروں سے مقابلہ ہی محلہ کی لڑکیوں کی فرمایش سے بکریاں دوہی جا رہی ہیں۔ راستہ میں بچے بابا بابا کہہ کر لپٹ رہے ہیں۔ نواح مدینہ میں ایک اپاہج اندھی بوڑھیا کی خدمت اس اہتمام [illegible] ہو رہی [illegible] کہ حضرت عمر بھی سبقت نہیں لے جاسکے۔ کاندھے پر کپڑے کی گٹھری ہی اور [illegible] و فروخت [illegible] عیال کی روزی کا سامان کرتے ہیں۔ مدینہ پر حملہ ہوتا ہی تو لشکر کی کمان بھی [illegible] میدانِ جنگ کا پورا خاکہ تیار کر کے امیرانِ لشکر کے حوالے فرماتے ہیں۔ عراق [illegible] یہ بھی اہتمام ہی کہ ملک کی آبادی میں فرق نہ آئے۔ زراعت و [illegible] بندوبست اراضی کی ہدایتیں جاری ہوتی ہیں۔ کلام مجید اور [illegible] ہی۔ فقہ کے اُصول مرتب ہوتے ہیں۔ دین کے مشکل مسئلے حل کیے جاتے ہیں۔ ذکر تلقین ہوتی ہی۔ غرض ایک ہی وقت میں بادشاہ اور درویش۔ مُفسر۔ محدّث فقیہہ۔ اولوالعزم اور مسکین۔ سپہ سالار اور مالیات کے حاکم۔ تاجر سب کچھ ہیں اور جب دُنیا سے جاتے ہیں تو دنیا سے بالکل پاک صاف۔ نہ مِلک ورثا کے لیے چھوڑتے ہیں نہ روپیہ نہ جائداد۔ پرانی چادریں دھوئی جاتی ہیں اور خلیفۂ رسول اللہ اُن میں

دفنا دیئے جاتے ہیں اور دیکھو یہ سب کچھ محض اللہ اور اُس کے رسول کی رضامندی کے لیئے ہی۔

علمی خدمات

قرآنِ مجید بہ شکل کتاب ایک جا لکھوا کر محفوظ فرما دیا اور اُس کا نام مصحف رکھا۔ معانیِ کلامِ مجید کے متعلق جو مشکلات پیش آئیں اُن کو حل کیا۔ حدیث کی روایت کی۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ معتبر روایت حضرت صدیق کی ہی۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر اُمہات مسائل میں حضرت ابوبکر کی روایتیں سند ہیں۔ فقہ میں قاعدۂ اجتہاد مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستور العمل بنا۔ مشکل مسائل فقہ کو حل کیا تعبیر رویا میں اُن کی شانِ جلالت مسلّم ہی۔

تصوّف میں ذکر کلمۂ طیبہ کا طریقہ سب سے اوّل تلقین کیا۔ کشف المحجوب میں صدیق اکبر کو امام تصوّف لکھا ہی۔ طریقۂ نقشبندیہ کا سلسلہ بواسطہ حضرت امام جعفر صادق حضرت صدیق تک پہونچتا ہی۔ اہلِ معرفت کا قول ہی کہ نسبتِ صدیقی نسبتِ ابراہیمی تھی اسی لیئے غلبۂ توحید علیٰ وجہ الکمال تھا۔ کلام مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لقب "اوّاہ منیب" ہیں یعنی درد مند اور اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے والے۔ صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکر کا لقب "اوّاہ" تھا (درد مند) یہ بھی نسبت ابراہیمی کا اثر تھا۔ حضرت سرورِ عالم کے ساتھ مرتبۂ ضمنیت کبریٰ حاصل تھا۔ لہذا کمالات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم حضرت ابوبکر تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہی۔ حضرت صدیق کے قلب پر شعاعِ غیبی کا ظہور لطیفۂ قلبیہ سے ہوتا تھا۔ لہذا حقیقتِ حال بصورتِ عزیمت ظاہر ہوتی نہ بہ رنگِ تخیل۔ حدیث ما صب اللہ فی صدری شیئاً الا صببتہ فی صدر ابی بکر یعنی جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔

اِس مرتبہ پر شاہد ہے۔

واقعۂ وفات پر غور کیجئے۔ ایک انسان کی اصل حالت کا معیار غالباً اُس زمانہ سے بڑھ کر دوسرا نہیں ہوسکتا جو موت کے قریب ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر جسمانی حیثیت سے کبھی قوی نہ تھے۔ اِس ضعف کے ساتھ تریسٹھ ۶۳ برس کی عمر میں علیل ہوتے ہیں۔ پندرہ روز بخار آتا ہے۔ انتہا یہ کہ مسجد جانے کی قوت نہ رہی حالانکہ گھر کی کھڑکی مسجد میں تھی۔ اِس سے تم جسمانی ضعف کا اندازہ کرسکتے ہو۔ اس شدت ضعف و مرض میں عزیمت کا کیا حال ہے۔ بعض ہمدرد طبیب کے بُلانے کا مشورہ دیتے ہیں تو فرماتے ہیں طبیب دیکھ چکا۔ استفسار کرتے ہیں دیکھ کر کیا کہا۔ فرماتے ہیں۔ یہ کہا ہے۔

" انی فعال لما اُرید " (یعنی میں جو ارادہ کرتا ہوں کر ڈالتا ہوں)

دیکھو حضرت صدیق کی نبض کس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تسلیم و رضا کا بہترین سبق ہے۔ ایّامِ مرض اُس گھر میں بسر کرتے ہیں جو دربارِ نبوی سے مرحمت ہوا تھا۔ جب مرض نے زیادہ زور پکڑا تو جانشین کی فکر ہوئی۔ سوچا۔ مشورہ کیا۔ بالآخر حضرت فاروقِ اعظم کو منتخب فرمایا۔ اِس انتخاب پر اُن فیوض و برکات نے آفریں کہی جو عالم پر دَورِ فاروقی میں عدلِ فاروقی سے نازل ہوئے۔ منشاء انتخاب کیا تھا۔ وہ بھی سُن لو۔ جب ایک شخص نے حضرت عمر کو سخت فراج خیال کرکے اعتراض کیا تو نہایت جوشِ صداقت کے ساتھ جواب دیا۔

ابا اللہ تخوفنی اذا لقیت اللہ قلت استخلفت علی اھلک خیر اھلک	یعنی۔ کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو۔ میں جب وقت اللہ کے روبرو جاؤنگا تو کہونگا کہ میں تیری مخلوق پر سب سے بہتر آدمی کو اپنا جانشین مقرر کرکے آیا ہوں۔

اِس کی تشریح اُس دعا کے الفاظ میں بھی ہے جو حضرت عمر کے حق میں بعد وصیت فرمائی۔

اللھم انی لم ارد بذالك الا	اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی
اصلاحھم وخفت علیھم	بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اُس اندیشے سے
الفتنة فعملت فیھم بما انت	کہ اُن میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو
اعلم به واجتھدت لھم	تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کے بعد
رأیاً ولیت علیھم خیرھم	بہترین اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے جو
واقویھم واحرصھم علی	سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی
ما ارشدھم	کا خواہشمند ہے

عین وفات کے قریب حضرت مثنیٰ عراق سے فوجی کمک حاصل کرنے مدینہ آتے ہیں تو خلیفہ کو بسترِ وفات پر پاتے ہیں۔ اس پر بھی حضرت ابوبکر اُن سے مفصل حالات سُنتے ہیں۔ حضرت عمر کو بُلا کر فرماتے ہیں۔

"جو میں کہتا ہوں اُس کو سُنو اور عمل کرو۔ مجکو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کسی مصیبت کی وجہ سے دین کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل سے نہ رُکنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ اُس روز میں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہے رب کی اگر میں اُس روز حکم الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا۔ اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر خداوند تعالےٰ

شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیجدینا اِس لیئے کہ وہ کار آزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہی۔"

اُسی دورانِ مرض میں یہ محاسبہ ہوتا ہی کہ بیت المال سے وظیفہ کیا ملا۔ ظاہر ہی کہ جو کچھ ملا واجبی ملا۔ حق المحنتہ تھا جو صحابۂ کرام کی تجویز سے ملا۔ تاہم صفائی محاسبہ پیش نظر تھی اِس لیئے اپنی ایک جائداد فروخت کرا کر کُل رقم بیت المال کی بیباق کر دی۔ بعد بعیت کے جو اضافہ مال میں ہوا تھا (یعنی ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا تھا اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا تھا۔ ایک چادر سوا روپیہ قیمت کی اور ایک اونٹنی (جس پر پانی آتا تھا) اُس کی نسبت حکم ہوا کہ بعد وفات سب چیزیں خلیفہ کے پاس پہونچا دی جائیں۔ جب اِس حکم کی تعمیل ہوئی تو حضرت عمر روئے اور فرمایا اَے ابوبکر تم اپنے جانشینوں کے لیئے کام بہت سخت کر گئے۔"

اتباعِ سنّت دیکھو۔

قریبِ وفات حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا۔

کہا تین پارچہ کا۔

فرمایا۔ میرے کفن میں بھی تین ہی کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھو لی جائیں ایک چادر نئی لی جائے (مسلمانو! تمھارے خلیفہ کے توشہ خانہ میں صرف دو چادریں تھیں)۔

ایثار ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا کہ ہم ایسے تنگ دست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔"

فرمایا "جانِ پدر نئے کپڑے مُردوں سے زیادہ زندوں کے لیئے موزوں ہیں کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہی۔"

قدرتی اتباعِ سنت دیکھئے۔

انتقال کے روز فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن رحلت فرمائی لوگوں نے کہا دوشنبہ کو۔ فرمایا مجھے اُمید ہی کہ میری موت بھی آج ہی ہو گی۔ (یہ دوشنبہ کا دن تھا) سنو ادبِ محبوب۔ عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں آچکا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حسرت سے یہ شعر پڑھا۔

وَاَبیضَ یستسقَی الغمامُ بِوَجھِہٖ — یعنی "وہ نورانی صورت جس کی تازگی سے ابر
رَبِیعُ الیَتامیٰ عِصمَۃٌ لِلاَرامِلِ — سیراب ہو یتیموں کی پناہ بیواؤں کی محافظ"

سُنکر آنکھیں کھول دیں اور کہا:۔

"یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ ابو بکر اس کا مستحق نہیں۔" رضی اللہ عنہ۔

خدارا اِن واقعات پر غور کرو اور کہو کہ حضرت صدیق کے دل میں سوائے اللہ اور اُس کے رسول کے کسی کی بھی محبت تھی۔ واللہ نہ تھی۔ ہر گز نہ تھی ؎

بہ پردہائے دل وچشمِ من نہاں حسرت
من وخدائے کہ جز جلوۂ نگارم نیست

رضی اللہ عنہ۔ وجزاہ عنا خیرا لجزاء۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔۔

حیدرآباد (دکن)

ربیع الاول سنہ ۱۳۳۹ھ

حررہ اضعف البنیان احمد علی ثریا رقم ساکن علیگڑھ

مولانا شروانی کی دیگر تصانیف

ذکرِ حبیب و ذکرِ جمیل ان دونوں رسالوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح پاک نہایت خوبی کے ساتھ سلیس و شستہ زبان میں تحریر کیے گئے ہیں۔

حقوق و فرائض مولانا شروانی اور ان کی اہلیہ محترمہ جناب نفیس دلہن صاحبہ کی متحدہ قوت قلم کا دلکش نقش ہے جس میں حقوق و فرائض زوجین کی بے حد عمدگی کے ساتھ توضیح کی گئی ہے۔

علمائے سلف نہایت مقبول تصنیف جو عربی کی مستند ترین تاریخی کتابوں کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے اس کتاب سے ایک نظر میں معلوم ہو سکتا ہے کہ اپنے عروج کے زمانہ میں مسلمانوں کے اندر علم کا کس قدر ذوق تھا اور مسلمان علما کی سبک اور پاکیزہ زندگی کی کیا کیفیت تھی۔ ایسی کتاب دنیا کی کسی زبان میں آج تک [illegible]۔

نابینا علما مسلمانوں میں جو علما نابینا ہوئے ہیں ان کے مختصر حالات۔ نہایت سبق آموز کتاب ہے۔ زیر طبع

تذکرۂ بابر سلطان ظہیر الدین بابر بانی خاندان مغلیہ کی سوانح عمری۔ بہت ہی دلچسپ اور قابل دید رسالہ ہے۔ زیر طبع